TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

سفر نامہ ابن فضلان

۳۰۹ھ ۔ ۹۲۱ء

بلغارستان کے بادشاہ کے دربار میں خلیفہ المقتدر کے سفیر احمد بن فضلان
کی سیاحت ممالکِ اتراک، باشکرد، خزرستان اور نارمنوں کے
"روس" نامی قبیلہ کے رسم و رواج کے بارے میں دلچسپ مشاہدات

خالد لطیف

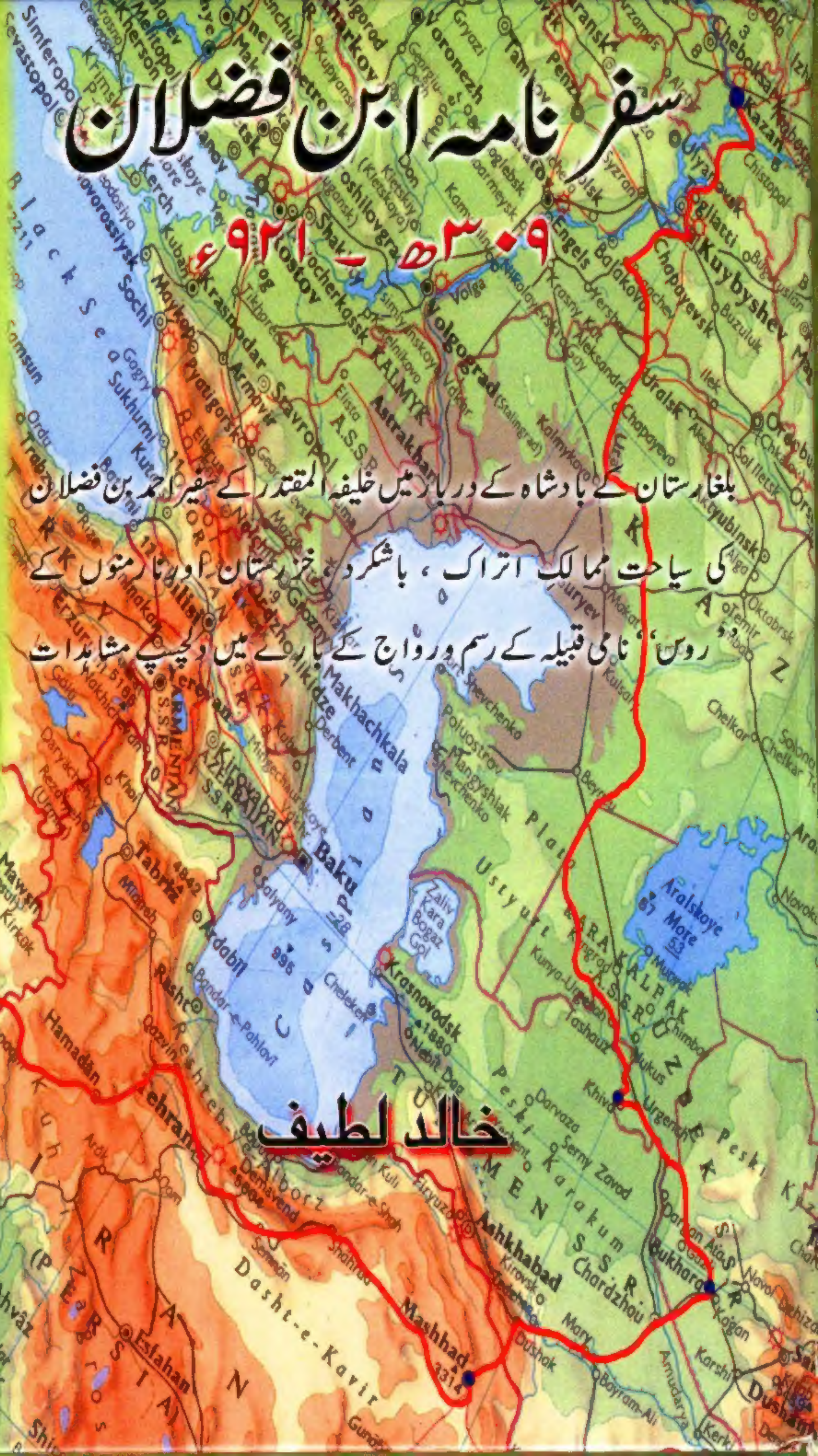

خالد لطیف ۲۱۔ جون ۱۹۲۷ کو بمبئی (ممبئی) میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم بمبئی میں حاصل کی۔ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے ۱۹۴۳ میں میٹرک اور بمبئی یونیورسٹی سے ۱۹۴۷ میں گریجویشن کیا۔ دوران تعلیم تحریک پاکستان کے بارے میں بمبئی کے مختلف اُردو اخبارات ورسائل بشمول روزنامہ انقلاب اور روزنامہ خلافت میں مضمون تحریر کئے۔ معاشایات پر لکھے گئے مضامین قیام پاکستان کے بعد ''پاکستان کا معاشی جائزہ'' کے عنوان سے ۱۹۵۰ میں کتابی شکل میں شائع ہوئے۔

خالد لطیف ۲۶۔ ستمبر ۱۹۴۷ کو بمبئی سے براستہ کراچی لاہور آئے۔ دسمبر ۱۹۴۷ تا جون ۱۹۴۸ ہفتہ وار ''کہکشاں'' لاہور کے نائب مدیر کے طور پر کام کیا۔ اکتوبر ۱۹۴۸ کو ''نوائے وقت'' لاہور سے بحیثیت سب ایڈیٹر منسلک ہوئے جہاں سب ایڈیٹر کے بعد رپورٹر کی حیثیت سے بھی کام کیا۔ وسط ۱۹۵۱ میں نوائے وقت سے روزنامہ ''آفاق'' اور وہاں سے دسمبر ۱۹۵۱ میں یونائیٹڈ اسٹیٹس انفارمیشن سروس (USIS) میں چلے گئے۔ ستمبر ۱۹۵۶ میں جب برطانیہ، فرانس اور اسرائیل نے نہر سویز پر حملہ اور قبضہ کیا تو احتجاجاً مستعفی ہو کر انگریزی اخبار ''سول اینڈ ملٹری گزٹ'' (C&MG) لاہور سے سینئر رپورٹر کی حیثیت سے منسلک ہوئے۔ جولائی ۱۹۵۹ میں C&MG سے مستعفی ہو کر برطانوی نیوز ایجنسی ''اسٹار'' (Star News Agency) سے بطور لاہور بیورو چیف وابستہ ہوئے۔ ۱۹۶۲ میں مارشل لاء کے خاتمے پر اردو پریس سروس (UPS) کے نام سے اردو میں خبر رسانی کا ادارہ قائم کیا اور اس کے لئے اردو میں ٹیلی پرنٹر بنوائے۔ ۱۹۶۴ کے صدارتی انتخاب میں جس میں مادرِ ملت محترمہ فاطمہ جناح نے فیلڈ مارشل ایوب خان کو للکارا تھا حکومت اُردو پریس سروس کی کارکردگی سے ناراض ہوگئی اور نتیجتاً ادارہ کو ملنے والی سرکاری امداد روک دی گئی جس کی وجہ سے ٹیلی پرنٹر کسٹم سے چھڑائے نہ جا سکے اور نیشنل بینک آف پاکستان نے اُن کو اے پی پی کے حوالے کر دیا۔ اُردو پریس سروس لشٹم پشٹم چلانے کی کوشش کی مگر سرکاری امداد کے بغیر نہ چلائی جا سکی اور بہت زیادہ مقروض ہو جانے کے باعث ۱۹۶۸ میں اِس کو بند کر دینا پڑا۔

خالد لطیف نے مختلف موضوعات پر اُردو اور انگریزی میں بے شمار مضامین اور کئی انگریزی کتب کا اُردو میں ترجمہ کیا اور مکتبہ جدید لاہور کے لئے ''معلومات عامہ'' کے موضوع پر ایک کتاب مرتب کی۔

۶۲۔۱۹۶۱ میں ہانگ کانگ سے شائع ہونے والے ہفتہ وار اخبار ''ایشیا میگزین'' کی جو ایشیا کے بڑے بڑے انگریزی اخباروں کے ساتھ اتوار کے اتوار تقسیم ہوتا تھا مغربی پاکستان میں نمائندگی کی اور مختلف مسائل پر مضامین لکھے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

سفر نامہ ابن فضلان

احمد ابنِ فضلان بن العباس بن راشد بن حماد صاحبِ علم و فضل شخص تھے، اُس سفارتی وفد میں شامل تھے جو 309ھ بمطابق 921ء میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے وسطی ایشیا میں بلغار کے ملک بھیجا تھا، یہ سفارت بلغاریہ کے نومسلم بادشاہ المش بن یلطوار کی درخواست پر بھیجی گئی تھی تاکہ دینِ اسلام کی تعلیمات سے اسے آگاہ کرے اور وہاں مسجد و منبر اور قلعہ کی تعمیر میں مدد دے۔

انیسویں صدی میں مغربی فضلاء کی اس سفر نامہ کی طرف توجہ ہوئی اور انھوں نے اس میں گہری دلچسپی لی، کیونکہ روسی قوم اور ملک کی ابتدائی تاریخ پر اس سے روشنی پڑتی ہے، ابن فضلان نے جن روسیوں کا ذکر کیا ہے یہ نارمن قوم (ڈنمارک، ناروے، سویڈن نارمن قوم کے خطے ہیں) کی ایک شاخ روس نامی قبیلہ اور قوم کی اصل گویا یہی قبیلہ ہے۔ نارمن، جرمن، روسی قوموں نے اپنی ابتدائی تاریخ کی کڑیاں اس میں دریافت ہونے پر اس میں خوب دلچسپی لی۔ کئی مغربی زبانوں میں تراجم کیئے گئے۔

اس کتاب کے دو اندراجات میرے خیال میں خاص تحقیق طلب ہیں، ریسرچ کے میدان کے شہسواروں کے لیئے ان پر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ ☆پہلا اقتباس کا خلاصہ یوں ہے کہ " یاجوج ماجوج کے ایک دیو ہیکل شخص کا تذکرہ ہے، جو دریا میں بہہ کر بلغاریہ آیا تھا اور بلغار کے نومسلم بادشاہ نے اس کو اپنی نگرانی میں اپنے ملک ٹھہرائے رکھا لیکن پھر اُس کی ہلاکت آفرینیوں کی وجہ سے اسے قتل کروایا، ابن فضلان کے پوچھنے پر بادشاہ نے اس کا سراپا اور اس کے احوال سنائے تھے۔ بادشاہ کے بیان کے مطابق اس کا قد 12 زراع (18 فٹ)، سر دیگ کے برابر، ناک ایک بالشت اور ہاتھ کی انگلیاں بالشت سے بھی لمبی، بات چیت نہ کر سکتا، اس کے نظر کرنے سے حاملہ عورتوں کے حمل ساقط ہوتے، اور کئی بچے مر گئے، بعض آدمی جو اس کے ہاتھ لگے ان کو ہاتھ سے مسل کر مار دیتا۔ اس کو پھانسی دے کر مارا گیا تھا، ابن فضلان کے پہنچنے سے کچھ عرصہ پہلے ہی یہ وقوعہ ہوا تھا، لہذا اس کا ڈھانچہ جنگل میں پڑا تھا جو بادشاہ نے خود ابن فضلان کو لے جاکر ملاحظہ کرایا"۔

میرے خیال میں یاجوج ماجوج کے متعلق یہ چشم دید بیان بہت اہم ہے اس بیان کی مولانا سیوہاروی کی قصص القرآن اور ابوالکلام آزاد کی تفسیر میں یاجوج ماجوج کے متعلق تاریخی ارتقاء کے مؤقف کے تناظر میں جائزہ لینا چاہیئے اور مزید تفسیری و تاریخی لٹریچر زیر بحث لانا چاہیئے۔

یہاں اک اور نکتہ بھی قابل غور ہے" فاضل مترجم اردو نے حاشیہ (ص139) میں جو رائے " یاجوج ماجوج" کے بارے میں دی ہے، وہ صراحتاً غلطی پر مبنی ہے " یاجوج ماجوج کا تذکرہ قرآن میں سورہ کہف کی آیت کی روشنی میں نص صریح ہے، دنیائے اسلام اس نام سے نزول قرآن کے وقت سے ہی آشنا تھی"۔

☆دوسرا اندراج" بلغار کے پڑوس میں خزر سلطنت جس کی خود یہ بلغار سلطنت اور کئی ریاستیں باج گزار تھیں اور خزر سلطنت کا بادشاہ خاقان کہلاتا تھا اور ترک خاقان کی گویا جگہ اس نے لے لی تھی اس خزر خاقان اور اس کی قوم کا یہودی ہونا ہے۔

میرے خیال میں اس اقتباس کی اہمیت پٹھانوں کے حسب نسب کے بارے میں مشہور نظریہ پٹھانوں کے یہودی النسل ہونے کے حوالے سے ہے۔ ہو سکتا ہے مزید مطالعہ کرنے والوں کا نقطۂ نظر مجھ سے مختلف ہو۔

لکلٍ وجهتہ هو موليها

ــہ وللناس فيما يعشقون مذاہب

امجد حسین

2دسمبر20ء

سفر نامہ ابن فضلان

"رسالۃ احمد بن فضلان"

بلغارستان کے بادشاہ کے دربار میں خلیفہ المقتدر کے سفیر احمد بن فضلان
کی سیاحتِ ممالکِ اتراک، باشکرد، خزرستان اور نارمنوں کے "روس"
نامی قبیلہ کے رسم و رواج کے بارے میں دلچسپ مشاہدات

ترجمہ و حواشی

خالد لطیف

ناشر

مطبوعات عصر جدید۔ لاہور

تقسیم کنندگان

تخلیقات

علی پلازہ، 3 مزنگ روڈ، لاہور، فون نمبر: 7238014
E-Mail: takhleeqat@yahoo.com

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ابن فضلان کا سفر
بخارا تا بلغارستان

Acc No: 15026
12/10/05

جملہ حقوق بحق مترجم محفوظ

نام کتاب : سفرنامہ ابن فضلان (رسالہ احمد بن فضلان)

ترجمہ و حواشی : خالد لطیف

ناشر : مطبوعات عصر جدید

۸۷۔شاہراہ قائداعظم۔لاہور

طابع : مکتبہ جدید پریس۔لاہور

طبع اول : جون ۲۰۰۲ء

رابطہ : khalidlatif764@hotmail.com

قیمت : ۱۵۰/روپے

تقسیم کنندگان : تخلیقات

علی پلازہ۔۳مزنگ روڈ،لاہور فون۔7238014

Email:takhleeqat@yahoo.com

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

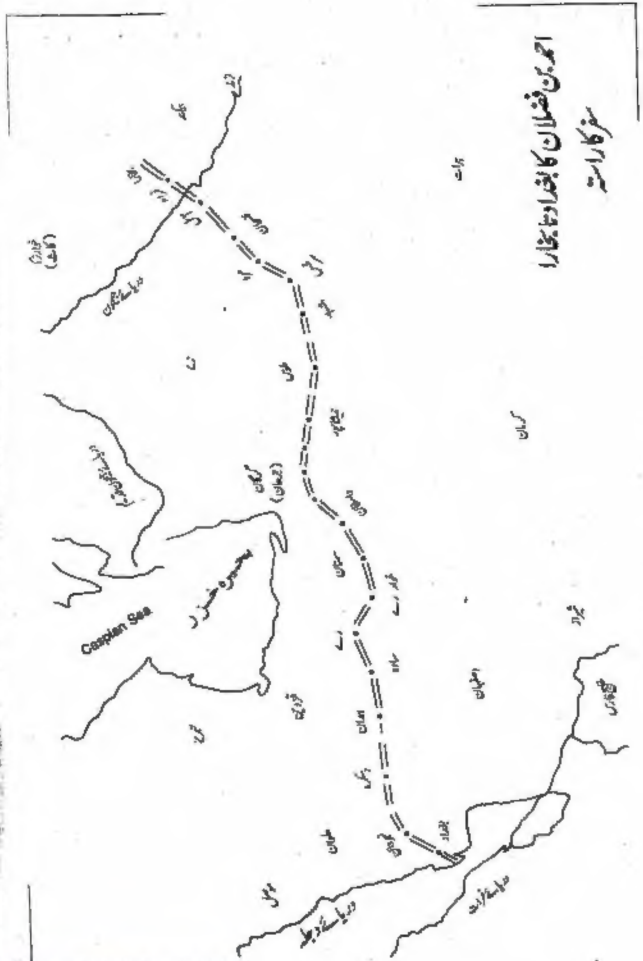

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

احمد بن فضلان کا رسالہ کسی سیاح یا جغرافیہ نگار کا سفر نامہ نہیں ہے۔ اس نے یہ سفر کسی ذوق علمی یا شوق سیاحت میں نہیں کیا تھا۔ اس نے یہ سفر خلیفۂ وقت المقتدر کی طرف سے سونپے جانے والے سفارتی فرائض کی بجا آوری میں اختیار کیا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ بلغارستان کے بادشاہ المش بن یلطوار نے دسویں صدی کی دوسری دہائی میں اسلام قبول کیا تھا۔ مسلمان ہونے کے بعد اس نے خلیفہ المقتدر سے درخواست کی تھی کہ اس کے پاس ایک ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اس کو دینِ اسلام سے اچھی طرح سے آگاہ کرے اور اس کو شریعت اسلامیہ کی تعلیم دے۔ نیز یہ کہ اس کے شہر میں مسجد

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ومنبر اور دشمنوں سے بچاؤ کے لئے قلعہ تعمیر کرے۔ اس درخواست کے جواب میں خلیفہ المقتدر نے ایک سفارتی وفد بلغار کے بادشاہ کے پاس بھیجا۔ ابن فضلان اس وفد میں بطور معلم وفقیہ شامل تھا۔ اصل میں سفیر تو کوئی اور صاحب تھے مگر سارا کام ابن فضلان ہی نے سرانجام دیا اور سفر سے واپسی پر بغداد پہنچ کر اس سفر کی روئیداد قلم بند کی جس کے کچھ حصے رسالہ ابن فضلان کی شکل میں آج بھی موجود ہیں۔

ابن فضلان کون تھا؟ اور دربار المقتدر میں اسے کیا حیثیت حاصل تھی؟ اس کے بارے قطعیت سے کچھ نہیں کہا جا سکتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ غیر عرب تھا کیونکہ وہ اس زمانے کے ایک مقتدر امیر اور عباسیوں کے ممتاز جرنیل محمد بن سلیمان کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس کے نام سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کا خاندان کم از کم چار پشتوں سے مسلمان تھا۔ یہ معلوم نہیں کہ وہ افریقی تھا یا عجمی۔ بہرحال وہ ایک پڑھا لکھا' زیرک اور باصلاحیت آدمی تھا جس کی بنا پر اسے سفارتی امور کی انجام دہی کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔

ابن فضلان نے اپنے سفر کا آغاز بغداد سے ۱۱۔صفر ۳۰۹ھ مطابق ۲۱ جون ۹۲۱ کو کیا اور ۱۲ محرم ۳۱۰ھ (۱۲۔مئی ۹۲۲ء) کو یعنی نو ماہ کے بعد اپنی منزل پر پہنچا۔ اس نو ماہ کے عرصہ میں اس نے کئی شہروں میں قیام کیا' کئی علاقوں سے گزرا اور کئی قوموں سے اس کا واسطہ پڑا۔ اس کی قوت مشاہدہ بڑی تیز تھی۔ چنانچہ اس نے ان علاقوں کے موسم' حکمرانوں اور بادشاہوں کے اطوار اور لوگوں کے رسم ورواج اور بود و باش کے طور طریقوں کو صفحۂ قرطاس پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محفوظ کر لیا۔

ابن فضلان نے سفر سے واپس آ کر ۹۲۴ اور ۹۲۶ کے درمیان اپنے سفر کی روئیداد قلم بند کی۔ جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا اس کی تصنیف کی بہت سی نقول بنی ہوں گی۔ مگر آج کوئی ایک نسخہ بھی اصل کتاب کا موجود نہیں ہے' صرف وہ اقتباسات

موجود ہیں جو ابن فضلان کے بعد آنے والے جغرافیہ نویسوں نے اپنی کتابوں میں نقل کئے۔ سب سے طویل اقتباسات یاقوت حموی کی کتاب ''معجم البلدان'' میں ملتے ہیں۔ ان میں سے ایک اقتباس ''روس'' کے بارے میں بھی ہے۔ اس اقتباس کی وجہ سے مغربی اہل علم کو ابن فضلان میں دلچسپی پیدا ہوئی اور ۱۸۱۴ میں ڈنمارک کے ایک اہل علم جے۔ایل راسموسین (J.L. Rasmussen) نے ڈینش زبان میں اس کا ترجمہ شائع کیا۔ ڈاکٹر راسموسین کی دلچسپی کا سبب یہ تھا کہ ابن فضلان نے جن روسیوں کا ذکر کیا تھا وہ موجودہ زمانے کے روسی نہیں بلکہ نارمنوں کی ایک شاخ ''روس'' کے لوگ تھے جن کے نام پر گیارہویں صدی میں روس نام کی قوم اور ملک وجود میں آیا۔ ڈنمارک ناروے اور سویڈن نارمن قومیں ہیں اور اسی سبب راسموسین نے دسویں صدی کے نارمنوں کے بارے میں ابن فضلان کے بیان پر توجہ مبذول کی۔ اس کے بعد ایک روسی اہل علم سی۔ایم۔جے فراہن (C.M.J. Fraehn) نے یاقوت حموی کی معجم البلدان میں شامل ابن فضلان کے دو دوسرے اقتباسات جو باشکرد اور خزر سے متعلق ہیں ان پر توجہ دی اور ۱۸۲۲ میں ان کو لاطینی زبان میں عربی متن کے ساتھ شائع کیا۔ اس کے بعد فراہن نے ۱۸۲۳ء میں ابن فضلان کے بلغاروں کے بارے میں اقتباس کا جرمن زبان میں ترجمہ شائع کیا۔ ۱۸۲۵ء میں راسموسین نے اپنے مقالے کا ڈینش زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ شائع کیا اور اسی سال اس کا ترجمہ فرانسیسی زبان میں بھی شائع ہوا۔

فراہن اور راسموسین کے ترجموں کے قریب قریب ایک سو سال کے بعد ۱۹۲۳ میں ابن فضلان کے رسالے کا ایک نسخہ دریافت ہوا۔ جس نے ابن فضلان کے بارے میں مغرب کے اہل علم کے شوق کو مہمیز دی اور اس کے رسالے کے بارے میں بیسویں صدی کے نقادوں اور محققوں نے نئے سرے سے کام شروع کیا۔ ابن فضلان کے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اس رسالے کی دریافت کا سہرا ایک ترک محقق احمد ذکی ولیدی طوغان کے سر جاتا ہے جو سوویت انقلاب کے بعد جمہوریہ باشکریہ کا صدر تھا جس کو سرخ فوج نے حملہ کر کے ختم کر دیا تھا۔ طوغان باشکریہ سے فرار ہو کر ترکستان آ گیا تھا جہاں انور پاشا کے ساتھ مل کر کمیونسٹوں کی مزاحمت کی اور ایک لڑائی میں انور پاشا کی شہادت کے بعد وہ استنبول چلا گیا تھا جہاں وہ استنبول یونیورسٹی میں آخر عمر تک ترک تاریخ اور ادبیات پڑھاتا رہا۔

ذکی ولیدی طوغان مشہد کی جامع مسجد علی رضا کے کتاب خانۂ آستانِ اقدس میں کسی موضوع پر تحقیق کر رہا تھا کہ اسے ابن فضلان کے رسالے کا ایک مخطوطہ ہاتھ لگا۔ یہ اصل کتاب کا قلمی نسخہ نہیں تھا بلکہ دسویں صدی کے آخری حصے میں کسی نے اصل کتاب سے نقل کیا تھا اور "قال احمد ابنِ فضلان" کے الفاظ سے اس کی ابتدا کی تھی۔ طوغان نے اس کا جرمن زبان میں ترجمہ حواشی و تعلیقات کے ساتھ ۱۹۳۹ء میں لیزگ سے شائع کیا۔ اسی سال ایک روسی عالم اے۔ پی۔ کوالفسکی (A.P. Kovalevski) نے اس کا روسی زبان میں ترجمہ ماسکو سے شائع کیا۔ اس کے چند برس بعد معروف شامی دانشور ڈاکٹر سامی الدّھان نے طوغان کے دریافت کردہ مخطوطہ کی یاقوت حموی اور دوسرے عرب اور ایرانی جغرافیہ نگاروں کی کتابوں میں منقول ابنِ فضلان کے رسالہ کے مندرجات کو سامنے رکھ کر تدوین کی اور حواشی و تعلیقات کے ساتھ ۱۹۵۹ میں دمشق سے مندرجہ ذیل عنوان کے تحت شائع کیا۔

رسالۃ ابنِ فضلان

احمد بن فضلان بن العباس بن راشد بن حمّاد

فی وصف الرحلۃ الی بلاد الترک و الخزر و الروس و الصقالبہ

سنہ ۳۰۹ھ ۔ ۹۲۱ء

ابنِ فضلان پر اب تک سارا کام روس، جرمنی، ڈنمارک اور انگلستان میں ہوتا رہا تھا۔ ڈاکٹر دہان پہلے مسلمان عرب عالم ہیں جس نے ابنِ فضلان پر کام کیا اور بڑا مستند کام کیا۔ اہلِ زبان ہونے کے باعث انہوں نے عربی متن کی صحیح تدوین کی۔

سال ۱۹۶۶ء میں ابوالفضل طباطبائی نے ڈاکٹر دہان کے مدون رسالہ کا فارسی ترجمہ مع حواشی و تعلیقات تہران میں شائع کیا۔ اس کی خاص بات یہ ہے کہ طباطبائی صاحب نے اپنے مقدمہ میں عرب و عجم کے ان جغرافیہ نگاروں کے کوائف جمع کر دیے ہیں جنہوں نے جغرافیہ کے میدان میں کام کیا تھا۔ جن معروف و غیر معروف جغرافیہ نویسوں کے بارے میں معلومات فراہم کی گئی ہیں ان میں سے چند نام یہ ہیں۔

الخوارزمی ۔ ابن خردادبہ ۔ بلخی ۔

جیہانی ۔ یعقوبی ۔ قُدامہ بن جعفر ۔

ابن رُستہ ۔ اصطخری ۔ ابن حوقل ۔

المسعودی ۔ المقدسی ۔ ابو دلف۔

ان کے علاوہ بہت سے ان سیاحوں اور تاجروں کا بھی ذکر کیا ہے جو خشکی یا دریائی یا سمندری راستوں سے بغرض سیاحت یا بسلسلہ تجارت ایران و ہند و چین کا سفر کرتے تھے ان میں دو تاجر سلیمان اور ابوزید حسن سیرافی قابلِ ذکر ہیں۔ مسعودی نے بسال ۳۰۳ھ (۹۱۶ء) میں ابوزید حسن سیرافی سے اپنی ملاقات کا ذکر کیا ہے اور سیرافی کے حوالے سے لکھا ہے کہ سلیمان تاجر مشرقی سمندروں میں واقع جزائر کی بڑی تعریف کرتا ہے۔ یہ جزائر سیلان

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

(سیلون) کے قریب واقع ہیں اور ان کو "لونکبالوس" کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان جزائر کے مرد و زن برہنہ رہتے ہیں۔ فقط عورتیں درخت کے پتوں سے اپنا ستر ڈھانپتی ہیں۔ یہ لوگ ہر وقت کشتیوں میں سوار رہتے ہیں اور عنبر اور ناریل فروخت کرتے ہیں اور معاوضے میں لوہے کی بنی ہوئی اشیاء لیتے ہیں۔ چونکہ ان جزائر کی آب و ہوا ملائم ہے اس لئے انہیں کپڑے پہنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بحیرہ انڈمان میں دو جزیرے اور ایسے ہیں جہاں لوگ برہنہ رہتے ہیں اور یہ لوگ آدم خور ہیں۔

ابو زید سیرافی نے سلیمان تاجر کی معلومات کو چوتھی صدی ہجری میں سلسلۃ التواریخ کے نام سے کتابی شکل میں مدوّن کیا۔

تیسری صدی ہجری کا مشہور جغرافیہ نگار ابو القاسم عبید اللہ بن عبد اللہ بن خرداذبہ تھا۔ اس کو مسلمان جغرافیہ کا باوا آدم کہا جاتا ہے۔ اس کی مشہور تصنیف "کتاب المسالک والممالک" ہے۔ یہ کتاب ۲۳۲ھ (۸۴۶ء) میں بغداد میں شائع ہوئی تھی۔ اس کتاب میں علم جغرافیہ اور مختلف ملکوں کے جغرافیہ کے بارے میں معلومات دی گئی ہیں۔ یہ کتاب نہ صرف عباسی دور کی اسلامی سلطنت کا احاطہ کرتی ہے بلکہ اس میں غیر اسلامی دنیا کے علاقائی جغرافیہ پر بھی بحث کی گئی ہے۔ اس میں اس زمانے کی آباد دنیا کے رسل و رسائل اور سفری سہولتوں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اپنی قسم کی بہترین کتاب تھی۔

تیسری صدی کے دوسرے دانشمندوں میں ابو زید احمد بن سہل بلخی کا نام بھی اہم ہے۔ بلخی ۲۳۵ھ (۸۵۰ء) میں بلخ میں پیدا ہوا اور جوانی میں بغداد چلا گیا۔ آٹھ سال تحصیل علم میں گزارے۔ حج کیا۔ اور پھر واپس بلخ آ کر نجوم، فلسفہ اور منطق اور دیگر علوم و فنون کے مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گیا۔ بلخی کے اپنے زمانے کے ایک اور نامور دانشمند جغرافیہ دان جیہانی کے ساتھ بہت اچھے مراسم تھے۔ جیہانی امیر بخارا کا کاتب (وزیر) تھا۔ وہ بلخی کو تحفے تحائف بھیجتا رہتا تھا خاص کر سفید فام کنیزیں۔ لیکن جب بلخی نے ایک ایسا رسالہ لکھا جو جیہانی کے شیعی خیالات سے مطابقت نہیں رکھتا تھا تو

دونوں کے تعلقات کی گرم جوشی سرد پڑ گئی اور جیہانی نے جو بلخی کو بخارا آنے کی دعوت دے چکا تھا بخارا بلانے سے احتراز کیا۔

بلخی ایک دانشور تھا وہ مختلف علوم و فنون کا بحر ذخار تھا۔ اس کا طرز نگارش فلسفیانہ تھا۔ جغرافیہ میں اس کی کتاب کا نام کہیں "صور الاقالیم" کہیں "اشکال البلاد" اور کہیں "تقویم البلدان" بتایا جاتا ہے۔ شاید اس کا کوئی نسخہ اب موجود نہیں ہے۔ صرف نام باقی رہ گیا ہے۔

تیسری صدی ہجری کے آخر میں "کتاب البلدان" نامی کتاب جہاں دانش و ادب کے آسمان پر ستارہ بن کر چمکی۔ یہ احمد بن الفقیہ کی تالیف تھی۔ اس کتاب کی ضخامت دو ہزار صفحوں کی تھی۔ یاقوت نے اپنی کتاب "معجم البلدان" میں اس کتاب کو خوب استعمال کیا ہے۔ ابن فقیہ کے بارے میں بہت کم معلومات ہیں۔ اس کا پورا نام ابوبکر احمد بن محمد بن اسحاق الھمدانی تھا۔ نسلاً عرب تھا اور اپنے زمانے میں ایک فقیہ کی حیثیت سے مشہور تھا۔

ابوعبید اللہ محمد بن احمد بن نصر جیہانی بھی ایک ممتاز ماہر علم نجوم اور جغرافیہ نگار تھا۔ وہ امیر خراساں کا وزیر تھا۔ اس کی کتاب "المسالک فی معرفت الممالک" میں نجوم و ہندسہ اور اوضاع فلکی اور ہفت اقلیم سے بحث کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ اس میں سندھ کے عجائب اور ہندوستان کے بتوں، شہروں، مالیات اور خراج، راستوں، پہاڑوں، دشت و صحرا اور دریاؤں کا تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب ۳۱۰ھ سے پہلے کی تصنیف ہے۔

ابن خرداذبہ کا معاصر یعقوبی بھی تیسری صدی ہجری کے دانشوروں میں شامل ہے۔ اس کا نام ابو العباس احمد بن ابی یعقوب بن جعفر بن وھب بن واضح الیعقوبی تھا۔ وہ بغداد میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ خلیفہ منصور عباسی کے موالیوں میں تھا۔ یعقوبی اپنی کتاب "البلدان" کی وجہ سے مشہور ہے۔ وہ جوانی میں بغداد کو چھوڑ کر خراساں اور آرمینیہ کی طرف نکل گیا تھا اور وہاں سے مصر چلا گیا تھا جہاں طولونی حکومت نے اس کی پذیرائی کی۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اپنی کتاب کے مقدمہ میں وہ لکھتا ہے کہ "آغازِ جوانی سے میری کوشش تھی کہ میں مختلف ملکوں کے بارے میں معلومات حاصل کروں اور مختلف شہروں کا سفر کروں۔ میں نے بہت سفر کیا۔ بار بار کے سفر کے دوران جس شخص سے بھی میں ملتا اس سے اس کے وطن، اس کے شہر، اس کے ملک کی زراعت اور عرب و عجم کے ساکنوں کے لباس، مذہب، زبان و عادات کے بارے میں دریافت کرتا اور جو وہ کہتے اس کو ضبطِ تحریر میں لے آتا"۔ اس طرح سے یعقوبی نے معلومات حاصل کیں اور مشرق و مغرب کی سیاحت کر کے ایک کتاب "اخبار البلدان" کے نام سے تالیف کی۔

اس کتاب کے چار حصے ہیں' پہلا حصہ ایران، ترکستان، افغانستان، خراساں اور سیستان سے متعلق ہے۔ دوسرا حصہ مغربی عراق اور جنوبی و مغربی جزیرۂ نما عرب، تیسرا حصہ جنوبی و مشرقی عراق اور مشرقی جزیرۂ نما عرب و چین و ہند اور چوتھا حصہ مصر، نوبہ و شمالی افریقہ کے بارے میں ہے۔

تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کے اوائل کے دانشمندوں میں ایک نام قدامہ بن جعفر کا بھی ہے۔ اس کا نام ابوالفرج قدامہ بن جعفر بن قدامہ تھا۔ اصلاً وہ عیسائی تھا۔ بصرہ کا رہنے والا تھا۔ سالِ پیدائش معلوم نہیں ہے۔ خلیفہ المکتفی باللہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ ۳۱۰ھ میں انتقال ہوا۔ آخری عمر میں اعلیٰ سرکاری عہدے پر فائز ہوا۔

ابنِ قدامہ کو شعر و ادب سے بڑا شغف تھا۔ اپنی تالیفات میں وہ جابجا اشعار استعمال کرتا ہے۔ اس پر یونانی فلسفہ کا بڑا اثر تھا۔ "کتاب الخراج و صنعت الکتابہ" اس کی معروف کتاب ہے۔ اس میں تقسیم بندیٔ ارضی' وضع خراج اور مختلف ملکوں کے جغرافیائی اوصاف سے متعلق بڑی مفید معلومات دی گئی ہیں۔ اس کتاب کے آٹھ حصے تھے مگر اب صرف جلد دوم بعنوان "کتاب الحراج و صنعت الکتابہ" کی شکل میں اس کے چار حصے موجود ہیں۔

تیسری صدی کے اواخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل کے نامور جغرافیہ نگاروں

میں ابنِ رُستہ اور اصطخری کے نام ستاروں کی طرح روشن نظر آتے ہیں۔

ابوعلی احمد بن عمر بن رُستہ کی تاریخ پیدائش اور ابتدائی زندگی کے بارے میں کچھ معلوم نہیں ہے۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ اصفہان کا رہنے والا تھا اور سال ۲۹۰ھ (۹۰۲ء) میں اپنی تصنیف کی تکمیل تک حجاز میں رہ رہا تھا۔ آج اس کی تالیف "الاعلاق النفیسہ" کی صرف جلد ہفتم موجود ہے۔ اس نے مکہ معظمہ کا سفر کیا اور خانہ کعبہ، مدینہ منورہ اور اس طرح کے دوسرے مقامات کی جو تاریخی اعتبار سے معروف ہیں زیارت کی۔ اس کی کتاب میں ساری دنیا (ہفت اقلیم) کے دریاؤں سمندروں اور شہروں اور نباتات (گیاہ) اور حیوانات کے بارے میں مفید معلومات درج ہیں اور صقالبہ' سلاو (slav) اور یورال اور التائی کے علاقوں میں آباد دوسرے قبائل کے بارے میں تفصیلی معلومات ہیں۔ اس نے ۳۰۰ھ میں ان علاقوں کا دورہ کیا تھا اور لکھا تھا کہ خزروں اور صقالبہ کے علاقوں میں مسلمان بھی پائے جاتے ہیں اور ان کی مسجدیں بھی موجود ہیں جہاں وہ نماز پڑھتے ہیں۔

دوسرا بڑا نام ابواسحاق ابراہیم بن محمد فارسی معروف بہ اصطخری کا ہے۔ طبیعی اور اقتصادی جغرافیہ کے بارے میں اس کی کتاب "المسالک و الممالک" بہت مشہور ہے۔ اس نے یہ کتاب فارسی زبان میں لکھی تھی جس کو اس نے بعد میں عربی میں منتقل کیا۔

اصطخری چوتھی صدی ہجری کے دیگر جغرافیہ نگاروں کی طرح کشورِ اسلامی کو بیس جغرافیائی اقالیم میں تقسیم کرتا ہے اور دنیا کے آباد خطوں' دریاؤں' مختلف ملکوں کی مساحت (پیمائش اراضی)' جزیرۂ نما عرب' خلیج فارس بشمول بحر ہند' مغرب بشمول اندلس و جزیرۂ سسلی' مصر و شام' بحیرہ روم' الجزیرہ' عراق' ایران جنوبی' وسطی اور شمالی بشمول آرمینیہ اور بحیرہ خزر اور ہندوستان پر الگ الگ بحث کرتا ہے۔ رابطے کے راستوں' پیمائش اراضی' تجارتی محصولات اور مختلف صنعتوں' ان کی نسلوں اور مذاہب کی توضیح کرتا ہے۔ اصطخری کی بیشتر معلومات اس کے اپنے مشاہدات اور تحقیقات پر مبنی ہیں۔ صقالبہ اور خزر قبائل کے بارے میں اس کی اطلاعات اگرچہ مختصر ہیں مگر بے وقعت نہیں ہیں۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اصطخری کے ہم عصر ابوالقاسم بن محمد بن حوقل جو اپنے آپ کو موصلی (موصل کا رہنے والا) بتاتا ہے ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) میں بسلسلۂ تجارت بغداد گیا۔ اس نے شمالی افریقہ' اندلس' عراق ایران اور ہندوستان کے بعض حصوں کی سیاحت کی اور ۳۴۰ھ میں اس نے اصطخری سے ملاقات کی اور اس کی درخواست پر اصطخری کے بنائے ہوئے نقشوں کی اصلاح کی اور اس کی کتاب میں ترمیم اور تبدیلی کی۔ لیکن بعدازاں اس نے فیصلہ کیا کہ اس کتاب کو وہ خود دوبارہ لکھے گا۔ چنانچہ نسخے کی تکمیل کے بعد اس کو بعنوان "المسالک و الممالک" اپنے نام سے شائع کیا مگر وہ "صورت الارض" کے نام سے مشہور ہوئی۔

ابن حوقل اس کتاب کے بارے میں خود لکھتا ہے کہ "جس چیز نے مجھے یہ کتاب لکھنے کی ترغیب دی وہ یہ تھی کہ ایام جوانی میں میری خواہش تھی کہ میں مختلف ملکوں کی سیاحت کروں اور ان ملکوں اور ان ملکوں کے لوگوں کے بارے میں معلومات جمع کروں اور تجارت کے ذریعہ دولت کماؤں"۔ چنانچہ اس نے اپنے پیشرو سیاحوں اور جغرافیہ نگاروں خاص کر ابن خرداذبہ اور الجیہانی کی کتابوں اور ابوالفرج قدامہ بن جعفر کے تذکرہ کا خوب مطالعہ کیا۔

ابن حوقل کچھ عرصہ اندلس میں بھی رہا۔ اور وہاں کے سیاسی اجتماعی اور اقتصادی طور طریقوں اور معاملات پر روشنی ڈالی اور سفید فام غلاموں کی تجارت سے بحث کی۔ شہر الزہرا کی زیبائی و خوبصورتی اور "الرصافہ" کی شان و شکوہ کی تعریف کی۔

سال ۳۴۲ھ میں وہ جزیرۂ سسلی کے شہر "پالرم" گیا۔ اس کے بارے میں وہ لکھتا ہے "پالرم سسلی کا سب سے بڑا شہر ہے۔ اس شہر کے لوگ پیاز زیادہ کھاتے ہیں اور اس وجہ سے ان کا دماغ خراب رہتا ہے۔ اہالیان سسلی نادان ترین اور احمق ترین لوگ ہیں۔ ان لوگوں میں اخلاقی فضائل کا فقدان ہے مگر رذائل میں حریص ہیں"۔ اس کا سال وفات ۳۵۰ھ (۹۶۱ء) بتایا جاتا ہے۔

چوتھی صدی ہجری کے نصف اول کا سب سے بڑا دانشمند مورخ' جغرافیہ نگار اور سیاح ابوالحسن علی بن الحسین ابن علی المسعودی ہے۔ اس نے زیادہ تر کتابیں علم تاریخ

اور مختلف علوم کے بارے میں لکھیں۔ وہ بغداد کا رہنے والا تھا اور وہیں اس کی پرورش ہوئی۔ اس نے طلب علم میں مصر اور دور دراز کے ملکوں کا سفر کیا۔ سن ۳۰۹ھ سے ۳۳۲ھ کے درمیان اس نے فارس' کرمان' اصطخر' ہند' مولتان' (ملتان) 'منصورہ' چمپا' سیمور' سرندیب' چین' جزیرۂ مدغاسکر' آذربائیجان' جرجان' شام' فلسطین اور انتاکیہ (انطاکیہ) کی سیاحت کی اور سیاحت کا زمانہ کسب علوم و تحقیقات میں صرف کیا اور تاریخ اور جغرافیہ کے بارے میں معلومات جمع کیں۔

شمس الدین ابو عبداللہ محمد بن احمد بن ابی بکر البنا الشامی جو مقدسی کے نام سے معروف ہے سال ۳۵۵ھ (۹۴۶ء) میں بیت المقدس میں پیدا ہوا۔ یہ عظیم جغرافیہ نگاروں کے سلسلے کا آخری نمائندہ تھا۔ اصطخری اور ابن حوقل کی طرح اس نے بھی ملکوں ملکوں کی سیاحت کی۔ وہ خود لکھتا ہے کہ "میں نے اسلامی ملکوں کا سفر کیا۔ ان ملکوں کے اہل علم سے ملاقاتیں کیں اور ان ملکوں کے بادشاہوں کی خدمت کی' اہل قضا اور فقہا سے درس لیا' ادباء اور قراء سے میل ملاقاتیں کیں' مسجدوں میں منبر سے خطبہ دیا اور مسجد کے میناروں سے آذان دی' کوہ و دشت میں گھوما پھرا' خطرناک دریاؤں میں غوطہ زنی کی' زندانوں میں وقت گزارا' کار تجارت میں وقت صرف کیا' داستان گویوں کے پاس بیٹھا' ہر طرح کے لوگوں کے ساتھ میل جول رکھا اور ہر جگہ کے لوگوں کے مذہب' زبان' نسل' اخلاق اجتماعی' مالی لین دین کے طریقوں اور خراج کی وصولی کے بارے میں جو کچھ بھی معلومات حاصل ہوئیں ان کو صحیح صحیح لکھ دیا۔ اس راہ میں بہت رنج ملا' سختی غربت اور ذلت برداشت کرنا پڑی۔ میں نے کوشش کی ہے کہ میں نے جو کچھ دیکھا ہے یا جن اشخاص سے جو کچھ سنا ہے اس کے خلاف کوئی بات رقم نہ کروں"۔

ایک اور جگہ لکھتا ہے "کتاب کے مطالعہ کو تین قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ اول وہ جو کچھ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ دوئم وہ جو کچھ میں نے معتبر لوگوں سے سنا ہے اور سوئم ان باتوں کی نقل جو دوسروں نے لکھا ہے۔ کوئی ایسا شاہی کتب خانہ نہیں جس میں نے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

نہ دیکھا ہو اور کوئی ایسا مذہب اور ایسی ملت نہیں جس کو میں جانتا نہ ہوں۔ میں پارساؤں اور اہلِ ذکر کی صحبت میں رہا ہوں اور ان سے معلومات حاصل کی ہیں"۔

اسی دور یعنی چوتھی صدی کے نصف اول کا ایک اور ممتاز جغرافیہ نگار ابودلف مسعر بن المھلھل الخزرجی الینبوعی ہے۔ اس کی تاریخ پیدائش یا تاریخ وفات معلوم نہیں۔ وہ ۳۳۱ھ میں بخارا میں موجود تھا۔ "الرسالۃ الثانیہ" کے عنوان سے اس کی دو کتابیں ہیں۔ ان میں سے پہلی کتاب یعنی "رسالۃ الاولیٰ" میں ابودلف نے وسطی ایشیا کے ترک قبائل، چین اور ہندوستان کے سفر کا ذکر ہے۔ سال ۳۳۱ھ (۹۴۳ء) میں اس نے بخارا کے سامانی بادشاہ نصر بن احمد کی طرف سے چین کے بادشاہ کی دختر کا رشتہ لینے کے لئے چین کا سفر اختیار کیا تھا۔ کچھ عرصہ چین میں قیام کیا اور وہاں سے ہندوستان کی سیاحت کرتا ہوا بخارا واپس آیا اور اپنے مشاہدات اور معلومات کو اس کتاب میں جمع کر دیا۔

دوسری کتاب ایران کے شہروں، راستوں پہاڑوں، دریاؤں، پلوں، تاریخی عمارتوں، مختلف معدنیات، دستکاریوں، محصولات اور قبائل کے بارے میں عام سادہ مگر مفید معلومات پر مشتمل ہے۔ وہ شاعر اور ادیب تھا، اس نے اپنی زندگی فلسی خوشی گزاری اگرچہ اس کو جہاں گردی اور سیاحت میں بڑی مشکلات کا سامنا پڑا۔

ابن فضلان انہیں جغرافیہ نگاروں کے درجہ کا آدمی ہے مگر اس نے سفر شوق سیاحت میں نہیں بلکہ ایک سفارتی فرض کی بجا آوری کے لئے کیا۔ لیکن جغرافیہ نگاروں کی طرح ترکوں کے مختلف قبیلوں مثلاً اوغوز یا غز، پچناگ اور باشکرد اور بلغاریوں، روسیوں اور خزروں کے رسم و رواج عادات واطوار، رہن سہن کے طریقوں اور مذہبی اعتقادات اور ان ملکوں کے موسمی حالات کے بارے میں معلومات کا ایک بے بہا خزانہ آنے والوں کے لئے چھوڑ گیا اور مذکورہ علاقوں کی تاریخ کے لئے ایک معتبر حوالہ بن گیا۔

۱۹۷۹ء میں ڈاکٹر الدھان کے تدوین کردہ نسخہ کا انگریزی زبان میں ترجمہ حواشی وتعلیقات کے ساتھ جیمس ۔ای۔ میکیتھن James E. Mekeithen نے کیا۔ جس پر

امریکہ کی انڈیانا یونیورسٹی نے اس کو پی۔ ایچ۔ ڈی کی ڈگری عطا کی۔ میکیتھن کا یہ مقالہ ابھی تک شائع نہیں ہوا ہے۔ اس مقالہ کی نقل برخوردار ڈاکٹر ادیب خالد نے جو کارلٹن کالج نارتھ فیلڈ نزد سینٹ پال منیسوٹا امریکہ میں وسطی ایشیائی ملکوں کی تاریخ پڑھاتے ہیں یو۔ ایم۔ آئی ڈیسرٹیشن سروس، این آربر، مشی گن (امریکہ) سے حاصل کر کے مجھے پہنچائی جس کے لئے میں ادیب خالد اور ڈاکٹر میکیتھن کا شکر گزار ہوں۔ ڈاکٹر الدھان کا تدوین کردہ رسالہ ابن فضلان جو مطبوعات المجمع العربی، دمشق نے ۱۹۵۹ میں شائع کیا تھا اس کا نسخہ میگل یونیورسٹی مانٹریل (کنیڈا) کے ادارۂ علوم اسلامی (Institute of Islamic Studies) کی لائبریری میں دیکھا اور اس کی فوٹو کاپی حاصل کی۔ اسی لائبریری میں طباطبائی کا ترجمہ بعنوان "سفرنامہ ابن فضلان" کے نسخے کی فوٹو کاپی حاصل کی اور یہیں سے احمد ذکی ولیدی کے دریافت کردہ مخطوطہ کے عکس کی فوٹو کاپی ملی جس کے لئے میں ادارۂ علوم اسلامی میگل یونیورسٹی کا ممنون ہوں۔

اس سفرنامے کو اردو کے قالب میں ڈھالنے کے لئے ڈاکٹر میکیتھین کے انگریزی ترجمے اور ابوالفضل طباطبائی کے فارسی ترجمے دونوں کو سامنے رکھا گیا ہے۔ اسماء اور مقامات کے نام الدھان کے مدون رسالے سے لئے گئے ہیں۔ دریاؤں کے قدیم ناموں کی جگہ موجودہ ناموں کے لئے پروفیسر آر۔ این۔ فرے (R.N Frye) اور پروفیسر آر۔ بی۔ بلیک (R.B. Blake) کے مشترکہ مقالے بعنوان 'Notes on the Risala of Ibn-Fadlan (1949)' بلغار اور خزر کے بارے میں معلومات بی۔ پی۔ گولڈین (B P. Golden) کی کتاب An Introduction to the History of Turkic Peoples (1992)' 'غز' پچناگ اور باشکرد ترکوں سے متعلق معلومات چوتھی صدی ہجری کے نامعلوم مولف کی تالیف بعنوان "حدود العالم" سے جس کو معروف مستشرق وی مینورسکی (V. Minorsky) نے انگریزی میں ترجمہ حواشی اور تعلیقات کے ساتھ ۱۹۳۶ء میں شائع کیا تھا، سکوں سے متعلق مواد وی۔ بارتھولڈ کی کتاب Turkestan Down to

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

the Mongol invasion (London-1928) خلیفۂ المقتدر اور اس کے دورِ حکومت کے حالات کے سلسلے میں شاہ معین الدین احمد ندوی کی تاریخ اسلام' خلافت عباسیہ جلد ول شائع کردہ معارف پریس اعظم گڑھ (۱۹۴۹) اور انسائیکلو پیڈیا آف اسلام سے ستفادہ کیا گیا ہے۔

یہ بات یاد رہنی چاہئے کہ یہ رسالہ ابن فضلان کا اصل رسالہ نہیں ہے ورنہ یہ س کی اصل نقل ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے مختلف ادوار میں مختلف افراد نے اس کے اقتباسات اپنی کتابوں میں نقل کئے تھے اور کچھ اقتباسات ایسے ہیں جو لوگوں نے اپنے طور پر نقل کئے ہوں گے۔ جس مخطوطہ کا یہ ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے وہ بھی غالباً کسی شخص کا نقل کردہ ہے۔ جس پر نہ کوئی تاریخ لکھی ہے اور نہ مقام کا نام درج ہے۔ ورنہ کاتب کا نام ہے۔ اگر کہیں تشنگی کا احساس ہو یا کہیں کوئی جھول نظر آئے تو سمجھنا چاہئے کہ اس کا ذمہ دار ابن فضلان نہیں بلکہ وہ شخص اس کا ذمہ دار ہے جس نے یہ رسالہ نقل کیا ہوگا۔ ویسے جتنا بھی مواد اس میں موجود ہے وہ تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس سے اُس زمانے کے ترکوں' بلغاروں روسیوں اور خزروں کی اقتصادی اور معاشرتی حالت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ اس نے اپنے زمانے کی تاریخ کو آنے والی نسلوں کے لئے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے محفوظ کر دیا ہے۔

رسالہ ابن فضلان کے تراجم روسی، جرمن، انگریزی اور ڈینش زبانوں میں بہت پہلے شائع ہو چکے تھے۔ ۱۹۸۸ء میں ماریوکونرڈ (Marius Conard) نے Voyage chez les bulgares de la Volga کے نام سے ترجمہ کیا جس کو سندباد Sindbad پبلیشرز نے ۱۹۸۸ میں پیرس سے شائع کیا۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۵ ہی میں جزا لفخر نے Bulgar Turklen Tarihi کے نام سے بلغاری ترکوں کی تاریخ لکھی جس کو Turk Tarih Kurumu Basimeri نامی پبلشنگ ہاؤس نے ۱۹۸۸ میں استنبول میں شائع کیا۔

دیباچہ

آٹھویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیان براعظم یورپ کے انتہائی مشرقی خطے میں جو کوہ یورال کے مغرب میں واقع ہے اور آج کل روسی وفاق میں شامل ہے اور جہاں تاتارستان اور باشکردستان کی خودمختار جمہوریتیں قائم ہیں بلغار نامی قوم آباد تھی۔ عرب اس کو صقالبہ اور سلاو (slav) بھی کہتے تھے۔ بلغار کے پڑوس میں خزر نامی قوم آباد تھی جو تعداد میں بلغاروں سے بڑی تھی اور ان کی حکومت موجودہ قفقاز' داغستان اور چیچنستان اور ان کے شمال میں دریائے اتل (والگا) کی وادی کے زیرین حصے سے لے کر بحرۂ اسود کے کنارے تک پھیلی ہوئی تھی۔ یہ دونوں قومیں ترکوں کے مغربی اتحاد (سلطنت) کے کمزور پڑ جانے اور بالآخر آٹھویں صدی کے وسط میں مکمل طور پر ٹوٹ جانے کے نتیجے میں اُبھر کر سامنے آئی تھیں۔

صقالبہ یا بلغار وسطی والگا کے خطے میں کب آئے اس کا صحیح طور پر تعین نہیں کیا جا سکتا۔ قیاس ہے کہ یہ لوگ ساتویں صدی عیسوی کے وسط میں اس وقت یہاں آئے جب خزر قوم نے انہیں بحیرہ اسود کے علاقے سے بے دخل کیا تھا۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ یہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

لوگ آٹھویں صدی کے آخر یا نویں صدی کے اوائل میں یہاں آئے تھے۔ سیاسی اور فوجی اعتبار سے بلغار اِتحاد ابتدا میں اس خطے کی سب سے ترقی یافتہ مملکت تھی جو شمال میں دریائے کاما اور شاید ویالکا اور ویتلوگا اور والگا تک، جنوب میں دریائے یورال اور مشرق میں دریائے بیلا جا تک پھیلی ہوئی تھی۔

صقالبہ (بلغار) کے ہمسایوں میں خزر کے علاوہ باشکرو پچناگ، اوغوز (غز) اور قپچاق شامل تھے۔ خزر ان میں سب سے طاقتور تھے۔ خزر خاقان نے اس علاقے میں ایک طرح سے ترک خاقان کی جگہ لے لی تھی اور اپنے پڑوس کی چھوٹی چھوٹی اقوام سے خراج وصول کرتا تھا۔ صقالبہ بھی ان اقوام میں شامل تھے جو خزر خاقان کے باج گزار تھے۔ ان کے درمیان اکثر جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس جنگ وجدل کی بڑی وجہ وہ تجارت تھی جو اس علاقے سے ہو کر گزرتی تھی۔ بلغاروں کے شمال میں نارمنوں کے ایک روس نامی قبیلے کے لوگوں کا قبضہ تھا جو انتہائی شمالی علاقوں کا مال لے کر آتے تھے اور بلغار علاقے میں بلغاروں کے ذریعہ عرب تاجروں کو فروخت کرتے تھے اور عرب تاجر چین اور وسطی ایشیا اور دیگر اسلامی ملکوں کا مال بلغاروں کے توسط سے نارمنوں کو بیچتے جو اس مال کو شمالی اور مغربی یورپ کے ملکوں تک پہنچاتے تھے۔ مشرق ومغرب اور جنوب وشمال کے درمیان ہونے والی اس چہار جہتی تجارت میں عرب تاجر بالعموم جو اشیاء فروخت کرتے تھے ان میں سے چند یہ تھیں۔

سوتی پارچہ جات، ریشمی پارچہ جات، اونی کپڑا اور کمبل، کمایا ہوا چمڑہ، صابن، فرش پر بچھانے کی دریاں، پیتل کے چراغ، گھوڑے کی زین کو کسنے والی پٹی، موسم سرما میں استعمال کا لبادہ اور دیگر اونی ملبوسات، خشک میوہ جات جیسے بادام اور کشمش، تل، تالے، کمان، تانبے کے برتن، چینی کے ظروف، کاغذ، چین کا ریشم۔

ان اور ان جیسی دیگر اشیاء کے بدلے میں وہ بالعموم مندرجہ ذیل اشیاء خریدتے تھے:

سیبل کی کھالیں (۱)، گلہری کی کھالیں (۲)، قاقم یا سنجاب کا سمور (۳)، راسو کی کھالیں (۴)، لومڑی کی کھالیں، اود بلاؤ کی کھالیں (۵)، خرگوش کی کھالیں، سمور کی بنی ٹوپیاں، بکری اور گھوڑے کی کھالیں، دندان ماہی، جندبید ستر (۶)، عنبرزرد، شمالی علاقوں کی لکڑی، مویشی خاص کر بھیڑیں، سب سے اہم سفید فام غلام اور کنیزیں جو نارمن لوٹ مار کر کے لوگوں کو پکڑ کر لاتے تھے اور بلغاروں کے ذریعہ عربوں کو فروخت کرتے تھے، تیر، تلوار، زرہ بکتر، موم، شہد، فندق کی گری (۷)

اس زمانے میں یہ بڑی منافع بخش تجارت تھی اور عربوں، خاص کر خوارزم میں آباد عربوں کا اس تجارت پر قبضہ تھا۔ خزر علاقے کی ایک بڑی طاقت ہونے کے سبب اس تجارت میں اپنا حصہ مانگتے تھے اور اس لئے اکثر بلغاروں کی ان کے ساتھ جنگ ہو جاتی تھی۔ بعض اوقات نارمن بھی اس میں شریک ہو جاتے تھے۔ اور کبھی بازنطینی حکومت بھی اپنے مفادات کے تحفظ کی خاطر خزروں کے ساتھ جنگ میں اُلجھ جاتی تھی۔

پہلی صدی ہجری میں عراق اور ایران میں کامیابیوں کے بعد جب مسلمانوں نے قفقاز کے علاقے میں آرمینیہ اور آذربائیجان کے علاقوں کو فتح کیا تو خزر جو شمالی قفقاز سے لے کر بحیرہ اسود تک پھیلے ہوئے تھے عربوں کی پیش قدمی کو روکنے کے لئے آگے بڑھے اور ۱۰۴ھ (۷۲۲ء) میں انہوں نے آذربائیجان پر حملہ کر دیا عربوں نے یہ حملہ پسپا کر دیا۔ چند برس خاموشی رہی مگر پھر انہوں نے ۱۱۲ھ (۷۳۰ء) میں دوبارہ حملہ کیا اور اس زور سے کیا کہ مسلمانوں کے پاؤں اُکھڑ گئے اور وہ پسپائی اختیار کرنے پر مجبور ہو گئے بلکہ جزیرہ (دریائے دجلہ اور فرات کا درمیانی خطہ) کو بھی خطرہ لاحق ہو گیا۔ اگلے کئی برسوں تک خزر مسلمانوں کے ممالک محروسہ کے لئے خطرہ بنے رہے تا آنکہ ۱۱۹ھ میں اموی خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے چچازاد مروان بن محمد (۸) نے خزروں کے خلاف کارروائی کی۔ وہ خزر علاقے میں پیش قدمی کرتا ہوا اتل تک پہنچ گیا جو دریائے والگا کے کنارے واقع تھا اور جہاں خزر خاقان رہتا تھا۔ مروان نے خاقان کو شکست دی اور خزروں کا زور ہمیشہ ہمیشہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کے لئے توڑ دیا۔ پھر اس کو اسلام کی دعوت دی۔ خاقان مسلمان ہو گیا۔ مگر مسلمان فوج کے جاتے ہی مرتد ہو گیا۔ مروان نے ماورائے قفقاز اور زیریں والگا کے علاقے میں کوئی بیس ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔ چنانچہ مشہور جغرافیہ دان ابن رُستہ کے مطابق جس نے سن ۳۰۰ھ (۹۱۲ء) میں اس علاقے کا دورہ کیا تھا یہاں مساجد موجود تھیں۔ بہر حال قفقاز کے بڑے حصے پر باب الابواب تک جسے دربند یا دربند خزراں بھی کہا جاتا ہے مسلمانوں کا اقتدار قائم ہو گیا۔ آج بھی یہ علاقے مسلمان علاقے کہلاتے ہیں۔

خزروں کی شکست کے بعد اگرچہ عربوں کے ساتھ ان کے تعلقات قطعی طور پر دوستانہ تو نہ ہوئے لیکن ان میں وہ دشمنی بھی نہ رہی جو شکست سے پہلے تھی۔ عربوں نے خزروں کے ساتھ دوستانہ تعلقات پیدا کرنے کی کوشش کی اور ۷۶۰ء میں آرمینیہ کے والی نے خزرستان کی ایک شہزادی سے جس کا نام "خاتون" بتایا جاتا ہے شادی کی۔ اس شہزادی کی موت کے بعد تعلقات بہتر ہونے کی بجائے اور خراب ہو گئے۔

آٹھویں صدی میں خزروں کی تجارت میں دلچسپی بڑھ جانے کے باعث عربوں کے ساتھ چشمک قریب قریب ختم ہو گئی جبکہ بلغاروں نارمنوں اور رومیوں کے ساتھ تجارت میں حصہ داری کے مسئلہ پر جنگ و جدل کا سلسلہ بڑھ گیا۔ خاص طور پر بلغاروں کے ساتھ کہ وہ ان کے مقابلے میں آبادی میں کم اور طاقت میں کمزور تھے۔

سنہ ۷۳۷ میں ترکوں اور ۷۵۱ء میں ترکوں اور چینیوں کی مشترکہ فوجی طاقت کو "تلاش" کے مقام پر شکست فاش دینے کے بعد مغربی ترکستان میں مسلمانوں کا اقتدار مستحکم ہو گیا اور معمولی سی شورشوں کے سوا کوئی بڑا خطرہ باقی نہ رہا تو مسلمانوں بالخصوص عربوں کی توجہ تجارت پر مرکوز ہو گئی۔ خوارزم میں جرجانیہ کا شہر ایک بہت بڑا تجارتی مرکز بن کر ابھرا۔ چین اور دیگر مشرقی ممالک سے یورپ کو جانے والا مال تجارت اسی جگہ سے گزر کر آگے جاتا تھا۔ یہاں سے شمال مغرب کی جانب جانے والا تجارتی قافلہ سو دو سو نہیں چار چار پانچ پانچ ہزار اونٹوں پر مشتمل ہوتا تھا جن پر وسطی ایشیاء اور دیگر اسلامی ملکوں کا بنا ہوا سامان اور

چین کا ریشم لدا ہوتا تھا۔ عرب تاجر یہ مال تجارت بلغاروں کے ذریعے شمالی یورپ سے آنے والے تاجروں کو جو بالعموم وائیکنگ یا نارمن تھے بیچتے تھے۔ بلغار لوگ بالعموم تجارت پیشہ تھے اگرچہ وہ زراعت سے بھی نابلد نہیں تھے۔ رفتہ رفتہ عربوں کا بلغار لوگوں کے ساتھ ربط ضبط بڑھتا گیا اور آپس کے میل جول کے باعث بلغاروں میں عربوں کے دین سے آگاہی حاصل کرنے کی خواہش پیدا ہونا غیر فطری بات نہیں تھی۔ بلغار بادشاہ ٹیکس وصول کرنے چونکہ کاروان والوں کے پاس خود چل کر جاتا تھا اس لئے عام عرب تاجروں کے ساتھ اس کا براہ راست تعلق پیدا ہو گیا اور امکان ہے کہ اس نے بھی عربوں کے مذہب اور طرز حیات کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی ہو گی۔ چنانچہ شاہ بلغار کو اسلام اور وحدانیت سے روشناس کرانے کی غرض سے خلیفہ المامون نے "اسلام اور وحدانیت سے متعلق شاہ بلغار کے سوالات کے جواب" نامی کتاب (رسالہ) تصنیف کیا تھا۔ (المامون کی خلافت کا زمانہ ۸۱۳ تا ۸۳۳ء ہے) یہ زمانہ تھا جب قسطنطنیہ کی بازنطینی حکومت ریاستی حکمت عملی کے طور پر غیر عیسائی ملکوں کو عیسائی بنانے کی غرض سے ان کے بادشاہوں اور سرداروں کو عیسائیت کی دعوت دیتی رہتی تھی۔ بلغاروں اور خزروں اور دوسری قوموں کو بھی دعوت دی جاتی تھی۔ مگر عیسائی مشنریوں کا ابھی آغاز نہیں ہوا تھا اور صرف سرکاری کارندے ہی اس کی تبلیغ کرتے تھے۔ دوسری طرف عرب تاجر تجارتی لین دین میں ایمانداری اور لوگوں کے ساتھ میل ملاپ میں خلوص اور حسن سلوک کے باعث بلغاروں اور دوسرے قبیلوں کے لوگوں کو متاثر کر رہے تھے۔ پھر ایسا ہوا کہ بلغار بادشاہ بیمار پڑ گیا۔ مقامی حکیموں نے علاج کیا مگر افاقہ نہ ہوا۔ ایک عرب تاجر نے جو حکیم بھی تھا بادشاہ کا علاج کیا اور اس کے علاج سے بادشاہ صحت یاب ہو گیا۔ بادشاہ عرب تاجر کے عدج اُس کے سلوک، اس کی ہمدردی اور دیگر انسانی اوصاف سے بہت متاثر ہوا اور اس کے ہاتھ پر اسلام قبول کر لیا۔ انسائیکلو پیڈیا آف اسلام کے مطابق یعقوب بن نعمان البلغری نے جس نے بلغار قوم کی تاریخ لکھی ہے اس عرب تاجر کا نام "بلاز" یا "بلار" بتایا ہے۔

مسلمان ہونے کے بعد بادشاہ المکش بن بلطوار ایک چھوٹی سی ریاست سے نکل

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کر ایک عالمی جماعت میں شامل ہو گیا۔

بلغار عرصہ دراز سے خزر باج دستی سے چھٹکارا پانے اور خزر خاقان کی غلامی کا جوا تار پھینکنے کی کوشش میں تھے اور اس مقصد کو حاصل کرنے کا کوئی موقعہ ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے جس کے باعث دونوں میں جنگ ہوتی رہتی تھی اور چونکہ خزر زیادہ طاقتور تھے اس لئے شکست بالعموم بلغاروں کا مقدر ہوتی تھی۔ خاقان کو خراج ادا کرنے کے علاوہ شاہ صقالبہ اپنے بیٹے یا بیٹوں کو بطور یرغمال خاقان کے پاس رکھنے اور اپنی ایک بیٹی کو اس کی زوجیت میں دینے پر مجبور تھا۔ خاقان اس کی ایک بیٹی کو زبردستی اُٹھا کر بھی لے گیا تھا جہاں اس مسلمان شہزادی نے خودکشی کر لی تھی۔ اس نے دوسری بیٹی کا رشتہ مانگا تو بادشاہ نے اس ڈر کے مارے کہ کہیں خاقان اس کو بھی اُٹھا کر نہ لے جائے اپنی چھوٹی بیٹی کو اپنے ایک باج گزار بادشاہ سے بیاہ دیا۔

یہ تھے وہ حالات جن میں بلغار بادشاہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد دربار خلافت سے مدد حاصل کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس وقت بغداد میں خلیفہ ابوالفضل جعفر بن معتضد الملقب بہ مقتدر باللہ کی حکومت تھی جو آل عباس کا اٹھارہواں حکمران تھا۔ اس زمانے میں حکومت میں ترکوں کا عمل دخل اس قدر بڑھ چکا تھا کہ وہ خلیفہ کو تگنی کا ناچ نچاتے رہتے تھے۔ جب چاہتے خلیفہ کو معزول کر دیتے اور جس کو چاہتے خلیفہ بنا دیتے۔ خلیفہ ان کے ہاتھوں بے بس تھا۔ سلطنت میں ہر طرف شورشیں اور فتنہ و فساد برپا تھا۔ خراسان، طبرستان، آذربائیجان، آرمینیہ، شام اور مصر ہر جگہ والی (گورنر) ایک دوسرے کے خلاف سازشوں میں مصروف تھے۔ بات بات پر صوبوں کے والی ایک دوسرے سے لڑ پڑتے تھے۔ ہر کوئی خلیفہ سے اپنی بات زبردستی منوا کر اپنے مخالف کو اپنے راستے سے ہٹا دیتا تھا اور اگر خلیفہ اس کے مشورہ پر عمل نہ کرتا تو وہ خود فوج لے کر اپنے مخالف پر چڑھ دوڑتا تھا۔ ملک میں افراتفری مچی ہوئی تھی۔ طوائف الملوکی کا دور دورہ تھا۔ البتہ ہر والی اپنے عمل کو جائز بنانے کے لئے خلیفہ سے منظوری لینا ضروری سمجھتا تھا کیونکہ خلیفہ کی منظوری کے بنا کسی والی کا کوئی فعل جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ اور اس باعث ہر گروہ اپنی مرضی کا خلیفہ بنوانے کی کوشش کرتا تھا۔ دربار خلافت سازشوں کا گڑھ بنا ہوا تھا۔ ان حالات میں خلیفہ کو پھونک پھونک کر قدم رکھنا پڑتا تھا۔ بعض دفعہ تو اس کے اپنے پروردہ لوگ اس کی کمر میں خنجر گھونپ دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ ان بگڑے ہوئے حالات کے باوجود خلیفہ کا منصب اب بھی قابل احترام تھا۔ خلیفہ کا اختیار اور اقتدار قریب قریب ختم ہو گیا تھا اور وہ موجودہ دور کے بے اختیار صدر کی طرح سے ایک نمائشی چیز بن کر رہ گیا تھا۔ اصل اقتدار صوبائی گورنروں اور امرائے دربار کے ہاتھ میں چلا گیا تھا۔ خلافت کے چہرے پر بہت سے بدنما داغ پڑ چکے تھے تاہم اس کی ظاہری چمک دمک اب بھی قائم تھی۔

ان حالات میں ابوالفضل جعفر المقتدر کے لقب سے مسند خلافت پر فروکش ہوا تھا۔ یہ سن ۲۹۵ ہجری (۹۰۸ء) کی بات ہے۔ اس وقت اس کی عمر تیرہ سال تھی۔ اس کے بڑے بھائی خلیفہ مکتفی باللہ بن معتضد نے مرنے سے پہلے اسے اپنا ولی عہد نامزد کیا تھا۔ امراء اور ارکان حکومت ابوالفضل جعفر کو خلیفہ بنانے کے خلاف تھے لیکن خلیفہ مکتفی کے وزیر عباس بن حسن نے اس کو منصب خلافت پر فائز کر دیا۔ اس کے مسند نشین ہوتے ہی مخالفوں نے بغاوت کر دی اور معتضد کے ایک بااثر امیر حسین بن حمدان نے جو موصل کا والی تھا عباس بن حسن کو قتل کر کے عبداللہ ابن معتز کو خلیفہ بنا دیا اور المقتدر سے قصر خلافت خالی کرنے کا تقاضا کیا۔ المقتدر نے ایک دن کی مہلت طلب کی۔ دوسرے دن جب احمد بن حمدان قصر خلافت پہنچا تو وہاں پر المقتدر کے حامیوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ وہ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ یوں المقتدر نے تیرہ برس کی عمر میں حکومت سنبھالی۔ جن امراء و عمائدین نے المقتدر کو ہٹانے کی کوششوں میں حصہ لیا تھا ان سب کو تہ تیغ کر دیا گیا۔ البتہ حسین بن حمدان جو دارالخلافہ سے بھاگ کر موصل چلا گیا تھا بچ گیا۔ المقتدر نے اس کی گرفتاری کے لئے فوج بھیجی اور اس کے بھائی ابوالہیجا کو جو حسین کی عدم موجودگی میں موصل کا والی تھا حسین کو

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ ابوالہیجا اس کو گرفتار نہ کر سکا۔ حسین بن حمدان چونکہ ایک با اثر امیر تھا المقتدر کو اس کو معاف کر دینا پڑا۔

اس کے بعد ۳۱۷ھ میں مونس نامی ایک با اثر امیر نے جو ایک نامور جرنل اور کئی صوبوں کا گورنر رہ چکا تھا مقتدر کے مخالفوں سے مل کر بغاوت کر دی۔ یہ شخص مقتدر کا معمولی غلام تھا مقتدر نے اس کو بڑھاتے بڑھاتے امیر الامراء بنا دیا۔ وہ تمام امور مملکت پر حاوی ہو گیا اور اقتدار میں خلیفہ کا حریف بن گیا۔ کسی بات پر دونوں کے درمیان بدگمانی پیدا ہو گئی اور اس کے نتیجہ میں مونس نے مقتدر کے دوسرے مخالف امراء اور عمائدین سے مل کر مقتدر کو معزول کر دیا اور اس کے اہل خانہ کو قصر خلافت میں قید کر دیا اور اس کے سوتیلے بھائی محمد کو خلیفہ بنا کر قاہر باللہ کے لقب سے مسند خلافت پر بیٹھا دیا۔ لیکن اہل بغداد نے اس کو قبول نہ کیا۔ مقتدر کے حامی امراء نے مقتدر کو دشمنوں کی قید سے رہائی دلائی۔ اس لڑائی میں مقتدر کے مخالف کئی امراء مارے گئے۔ مگر مونس بچ نکلنے میں کامیاب ہو گیا۔ مقتدر نے قاہر کو معاف کر دیا کیونکہ خلیفہ بننے میں اس کی رضا شامل نہ تھی۔ یہ دوسری بار تھی کہ مقتدر کو خلافت ملی۔ مونس نے مقتدر کے بیٹے ابوالعباس کو اپنے ساتھ شام لے جا کر خلیفہ بنانا چاہا جہاں مونس والی تھا۔ اس پر دونوں میں جنگ ہوئی اور اس جنگ میں مقتدر کام آیا۔ مونس کے فوجیوں نے نہایت بے دردی سے اس کو مارا۔ اس کا سر قلم کر کے نیزے پر چڑھایا اور مونس کے سامنے پیش کیا۔ اس کی سر بریدہ لاش بے گور و کفن پڑی رہی۔ کسی نے اس کو کفن پہنا کے دفن کرنے کی ہمت نہ کی۔ کسی راہ گیر نے ایک گڑھا کھود کر اس کو زمین میں دبا دیا۔

عجیب بات ہے کہ خلافت کے عہدے کی تذلیل اور خلفاء کی بے عزتی کے باوجود دنیائے اسلام میں خلافت کا وقار اور دبدبہ قائم رہا۔ شاہ صقالبہ بھی خلافت کے اسی دبدبے کے باعث خزر خاقان کے خلاف مدد لینے پر مائل ہوا ہوگا۔ اس نے دربار خلافت میں اپنی درخواست دستمد او پہنچانے کے لئے ایک ایسے شخص کو چنا جو نہ بلغار تھا اور نہ عرب بلکہ خزر تھا۔ عبداللہ بن باشتو الخزری خزر قوم کا باشندہ تھا۔ اس کے مسلمان ہونے اور عربی زبان جاننے

کی بنا پر اس کو سفیر بنا کر بھیجا گیا۔ نیز اس کے ساتھ رہبر کے طور پر جس آدمی کو بھیجا گیا وہ بھی بلغار نہیں تھا۔ وہ ایک ترک تھا جو پیشے کے لحاظ سے آہنگر تھا ابتدا میں خوارزم میں کام کرتا تھا پھر اپنے کام میں مہارت حاصل کر کے ترک علاقے میں لوہے کا کاروبار کرنے لگا تھا۔ یہ بھی عربی جانتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانے میں بلغار قوم میں کوئی ایسا آدمی نہیں تھا جو عربی بول سکتا ہو۔ اسی لئے سفارت کا کام دو غیر بلغاروں کو سونپا گیا۔

شاہ بلغار المش بن یلطوار نے اپنے مکتوب میں کیا کچھ لکھا تھا اس کا ہمیں کوئی علم نہیں ہے لیکن یقیناً اس نے ان حالات کا ذکر کیا ہوگا جس کا سامنا اسے یہودی خاقان کی وجہ سے کرنا پڑ رہا تھا۔ بہرحال جو باتیں معلوم ہیں ان کے مطابق شاہ المش نے دربار خلافت سے مندرجہ ذیل باتوں کی درخواست کی تھی۔

۱ اس کے پاس کسی ایسے معلم اور فقیہ کو بھیجا جائے جو اس کو اسلام سے پوری طرح سے روشناس کرائے اور اس کو اسلامی شریعت کی تعلیم دے اور وہاں اسلام کی تبلیغ کرے۔

۲ اس کے شہر میں ایک مسجد تعمیر کی جائے۔

۳ مسجد کے اندر ایک منبر تعمیر کیا جائے جہاں سے اس کے نام کا خطبہ دیا جائے۔

۴ اس کے شہر میں قلعہ تعمیر کیا جائے اور دیگر دفاعی انتظامات کئے جائیں تاکہ وہ اپنے دشمن یہودی خاقان سے اپنا دفاع کر سکے۔

قیاس کہتا ہے کہ المش نے ان چیزوں کے علاوہ بھی کئی اور چیزوں کی خواہش کی ہوگی جو اتنی اہم نہیں تھیں کہ ان کا حساب رکھا جائے۔ مثلاً یہ کہ اس نے بہت سی ادویات بھیجنے کی بھی درخواست کی تھی۔

خلیفہ المقتدر نے اس کی درخواست کو شرف پذیرائی بخشا اور اپنے ایک خواجہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

سرا نذیر الحرمی کو جو المقتدر کے مقربین میں سے تھا بادشاہ صقالبہ کے پاس ایک سفارت بھیجنے اور اس کی خواہش کو پورا کرنے کے انتظامات کرنے کی ذمہ داری سونپی۔ نذیر الحرمی نے المقتدر کی منظوری سے سوسن الرسی کو سفیر مقرر کیا اور احمد بن فضلان کو بطور معلم و فقیہہ اس سفارت کا رکن بنایا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگ اس میں شامل ہوں گے کیونکہ شاہ صقالبہ نے نہ صرف ایک معلم بھیجنے کی درخواست کی تھی بلکہ اس نے مسجد و منبر اور قلعہ اور دیگر دفاعی تنصیبات قائم کرنے کی بھی درخواست کی تھی۔ لہٰذا قیاس یہی کہتا ہے کہ سفارت میں معمار اور دیگر اہل حرفہ بھی ہوں گے۔ ابن فضلان نے بغداد واپسی کے بعد اپنی کارگزاری کا جو بیان قلمبند کیا اس سے یہ معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اصل سفارت کتنی بڑی تھی' اس میں کتنے لوگ شامل تھے اور ان لوگوں نے وہاں کیا تعمیرات کیں۔ ابن فضلان کی اس کتاب سے تو یہ تاثر ملتا ہے کہ سفارت کا سب سے اہم رکن خود ابن فضلان تھا اور سوسن الرسی صرف نام کا سفیر تھا۔

ابن فضلان کے بارے میں زیادہ معلومات میسر نہیں ہیں۔ وہ کون تھا؟ کہاں کا رہنے والا تھا؟ صرف یہ معلوم ہے کہ وہ خلیفہ المقتدر کے بڑے بھائی خلیفہ المکتفی باللہ کے ایک معتمد، دربار امیر محمد بن سلیمان کا غلام تھا جسے ابن سلیمان نے آزاد کر دیا تھا۔ وہ ابن سلیمان کی غلامی میں کیسے آیا؟ اس کے بارے میں کوئی معلومات میسر نہیں ہیں۔ ہاں وہ ایک پڑھا لکھا' زیرک معاملہ فہم' انسان تھا جس کو اپنا مافی الضمیر دوسروں تک پہنچانے کا ہنر آتا تھا۔ اس کا مشاہدہ تیز تھا۔ دربار خلافت میں اسکی رسائی یقیناً محمد بن سلیمان کے سبب ہوئی ہوگی اور اس نے خلیفہ اور اس کے مقربین کو یقیناً متاثر کیا ہوگا اور انہیں خوبیوں کے باعث اس سفارتی ذمہ داری تفویض کی گئی ہوگی۔

اس کا سفارتی قافلہ سن ۳۰۹ھ کے ماہ صفر کی گیارہ تاریخ کو مطابق سن عیسوی ۹۲۱ کے ماہ جون کی ۲۱ تاریخ کو بغداد سے روانہ ہوا۔ اس وقت صقالبہ یا بلغاروں کے بادشاہ کے دربار تک پہنچنے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ بغداد سے طبرستان اور طبرستان

سے کوہ قاف کو عبور کر کے خزر علاقے میں سے گزر کر جاتا تھا۔ دوسرا راستہ بغداد سے خراساں وہاں سے خوارزم اور خوارزم سے ترک علاقے میں سے گزر کر دریائے یورال کو عبور کر کے بلغارستان کو جاتا تھا۔ چونکہ اس زمانے میں طبرستان اور آذربائیجان کے علاقے شورشوں کی آماجگاہ بنے ہوئے تھے اور ان صوبوں کے والی خلیفہ وقت کے کچھ زیادہ حامی نہیں تھے نیز کوہ قاف اور اس کے ماوراء علاقہ کے خزر بھی عربوں سے دشمنی رکھتے تھے لہٰذا اس چھوٹے راستے کو چھوڑ کر لمبے راستے کو اختیار کیا گیا۔

بغداد سے بخارا تک سفر کے دوران کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا مگر بخارا میں ایک سابق وزیر ابوالحسن علی بن الفرات کے منیجر نے جو خراساں اور خوارزم میں ابن فرات کی جاگیر اور جائیداد کا انتظام و انصرام کرتا تھا اور مذہبا نصرانی تھا اس کے لئے پریشانی پیدا کی۔ سفارتی وفد کا ایک رکن جو بغداد سے سفارت کی روانگی کے چند دن بعد چلنے والا تھا اور شاہ صقالبہ کے لئے نقد رقم لے کر آ رہا تھا اس نصرانی نے اس کو گرفتار کروا دیا۔ اس کا مقصد کیا تھا۔ ابن فضلان کچھ نہیں بتاتا۔ صرف یہ کہتا ہے کہ فضل بن موسی نصرانی نے فریب دیا۔ چونکہ اس سفارت کا خرچہ پورا کرنے کے لئے ابن فرات کی جاگیر اس سے چھینی جا رہی تھی اس لئے فضل نے شرارت کی ہو اور سفارت کو ناکام بنانے کے لئے اور سفارتی وفد کو پریشان کرنے کی کوشش کی ہو اس کے سوا تو کوئی فریب نظر نہیں آتا۔

بخارا کے حکمران کو وہ ایک سولہ سترہ سال کا نوجوان پاتا ہے جو اس سفارتی مہم سے ہمدردی نہیں رکھتا اور ابن فضلان کو کہتا ہے کہ وہ آگے جانے سے پہلے خراساں کے امیر سے مشورہ کرے۔ ابن فضلان اس کی بات نہیں مانتا اور اپنا سفر جاری رکھنے پر اصرار کرتا ہے۔

بخارا کے بعد ابن فضلان خوارزم پہنچتا ہے اور وہاں حاکم وقت سے ترک علاقے میں داخل ہونے کا اجازت نامہ طلب کرتا ہے۔ امیر خوارزم اجازت دینے میں لیت و لعل سے کام لیتا ہے مگر وہ دلیل اور حجت کے ساتھ اپنی بات منواتا ہے اور سفر پر روانہ ہو جاتا ہے۔ خوارزم سے وہ اس علاقے کے سب سے بڑے شہر جرجانیہ (جرجان) جاتا ہے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے تاجروں کے قافلے بلاد مشرقی یورپ کو روانہ ہوا کرتے تھے۔ یہاں کے لوگ بہت خوش حال تھے۔ یہ کافی سرد علاقہ ہے۔ ان کے یہاں پہنچتے پہنچتے موسم سرما شروع ہو گیا برف پڑنے لگی خنکی بڑھنے لگی۔ ہر طرف برف ہی برف نظر آتی تھی۔ وہ بتاتا ہے کہ یہاں پر دریائے جیجون منجمد تھا اور اس کے اوپر گھوڑے اور گاڑیاں اس طرح چلتی تھیں جس طرح کہ سڑک پر چلتی ہیں۔ سردی کے مارے، بہت کم لوگ گھروں سے باہر نکلتے ہیں جس کی وجہ سے بازار اور سڑکیں خالی خالی نظر آتی تھیں۔ جرجانیہ یا جرجان اس زمانے کا بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ مشرقی یورپ / یوریشیا کے لئے تجارتی قافلے اسی شہر سے چلا کرتے تھے۔ ان قافلوں میں چار چار پانچ پانچ ہزار افراد اور اتنے ہی یا اس سے زیادہ تعداد میں سامان ڈھونے والے جانور ہوتے تھے جو مال تجارت سے لدے ہوتے تھے۔ جرجانیہ سے بلغارستان تک کے راستے کی حفاظت ترکوں کے ذمے تھی جس کا انہیں معقول معاوضہ ملتا تھا۔ معاوضہ نہ ملنے کی صورت میں کارواں کے لٹ جانے کا اندیشہ ہوتا تھا۔

جرجانیہ سے آگے کا علاقہ ترکوں کا علاقہ تھا۔ یہ غز نامی ترک قبیلے کا مسکن تھا۔ غز کو تغزغز اور اوغوز بھی کہا جاتا ہے۔ ابن فضلان نے اس قبیلے کے رسم و رواج اور عادات و اطوار کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ غز لوگ اپنے معاملات مشاورت سے طے کرتے ہیں اور متفقہ فیصلے سے روگردانی کرنے اور اس پر عمل نہ کرنے یا اس کے خلاف عمل کرنے والے کو کمینہ اور قابل نفریں سمجھا جاتا تھا۔

ابن فضلان بتاتا ہے کہ کئی اور بہت سی قوموں کی طرح ان میں بھی یہ دستور تھا کہ بیٹا باپ کے مرنے کے بعد اپنی سوتیلی ماں کو اپنی بیوی بنا لیتا تھا۔ شادی بیاہ کی رسوم کے بارے میں وہ بتاتا ہے کہ شادی کا خواہش مند لڑکی کے والدین یا کفیل کے ساتھ طے شدہ شرائط کے مطابق شادی کرتا ہے اور شرائط پوری کرنے کے بعد لڑکی کے گھر میں گھس کر اسے اٹھا کر لے جاتا ہے جبکہ اس کے بھائی یا باپ اس کی مزاحمت نہیں کرتے۔ اسی طرح سے وہ ان کے تکفین و تدفین کے رسم و رواج کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ

ترک اپنے مردے کو گڑھے میں دفن کرتے ہیں لیکن گڑھے میں لٹانے کی بجائے بٹھا دیتے ہیں اُس کے ہاتھ میں شراب کا جام تھما دیتے ہیں اور اس کے استعمال کا بہت سا ساز و سامان اس کے پاس رکھ کر گڑھے کو بند کر دیتے ہیں۔

وہ ترکوں کی مہمان نوازی کے ساتھ ساتھ ان کے جذبہ انتقام کا بھی ذکر کرتا ہے اور بتاتا ہے کہ وہ اپنے مقروض کی جان نہیں چھوڑتے اور اگر وہ بھاگ جائے تو اس کی تلاش اس وقت تک جاری رکھتے ہیں جب تک کہ وہ مل نہ جائے۔

ترکوں کی ایک عجیب و غریب رسم کا ذکر کرتا ہے اور وہ یہ کہ جب کوئی ترک مر جاتا ہے تو اس کے تمام جانور خاص کر گھوڑے جو مرنے والے کا واحد اثاثہ ہوتے سب اس کی قبر پر لے ہلاک کر دیئے جاتے ہیں۔ غالباً اس محرک کا یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ اس کے وارثوں میں اثاثوں کی تقسیم پر جھگڑا نہ ہو جائے۔ خاندان کو متحد رکھنے کا غالباً یہ ایک اچھوتا انداز تھا کہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔

ترک عورتوں کے بارے میں بتاتا ہے کہ وہ پردہ نہیں کرتیں اور نہ صرف پردہ نہیں کرتیں بلکہ ان کو اپنے مخصوص اعضاء کو نامحرموں پر ظاہر کرنے سے بھی احتراز نہیں ہوتا۔ ترک مرد کہتے ہیں کہ ان کی عورتیں اپنی شرم گاہیں اس لئے دکھاتی ہیں کہ دیکھنے والے کو ان کی دید کی خواہش نہ ہو اور وہ انجان چیز کے لالچ میں اس تک پہنچنے کی کوشش نہ کریں اور اس طرح زن کے مسئلے پر کوئی تنازعہ کھڑا نہ ہو سکے کیونکہ ان کے ہاں زنا کاری کی سخت سزا دی جاتی تھی۔

ترک علاقے میں سفر کے دوران ایک مرحلہ پر اس کو اپنی جان کے لالے بھی پڑے جب ترک سرداروں نے اس کو جاسوس سمجھ کر قتل کر دینا چاہا۔ وہ ان کو رام کرنے میں بڑی مشکل سے کامیاب ہوا۔ ان کے چنگل سے بچنے کے لئے اس نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیا اور اس طرح ترک علاقے سے روانہ ہو کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوا۔ یہ ترک جتنے اجڈ اکھڑ اور وحشی تھے اس کو دیکھتے ہوئے کسی بڑے حادثے سے دوچار

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ہوئے بغیر ان کے علاقے سے خیر و عافیت کے ساتھ گزر جانا بڑی کامیابی کی بات تھی۔

اس طرح وہ دو اور ترک قبیلوں بچناگ اور باشکرد کا ذکر کرتا ہے اور کہتا ہے کہ بچناگ غزوں کے مقابلے میں غریب ہیں۔ نیز ان کا رنگ بھی غزوں سے مختلف ہوتا ہے۔ یہ لوگ گہری بھوری رنگت کے ہوتے ہیں۔ باشکرد ترکوں کے بارے میں وہ کہتا ہے کہ ترکوں میں یہ لوگ سب سے شریر اور سب سے زیادہ گندے ہونے کے ساتھ ساتھ ظالم بھی ہوتے ہیں۔ اس قبیلے کے رسم و رواج کا بھی اس نے تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہ لوگ جوئیں کھاتے ہیں جو ان کے نزدیک "بڑی مزیدار" ہوتی ہیں۔ بارہ خداؤں کو مانتے ہیں۔ سانپ کی پرستش کرتے ہیں اور سارس کو اپنا رب گردانتے ہیں۔ ہندوؤں کی طرح وہ بھی مرد کے عضوِ تناسل کی عبادت کرتے ہیں۔

مقالبہ یا بلغاروں کے رسم و رواج اور رہن سہن کا بھی تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔ بعض محیر العقل باتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ موسم کے بارے میں بھی عجیب عجیب باتیں کیں ہیں۔ بہت سی باتیں دل کو نہیں لگتیں اور بعض میں مبالغہ سے کام لیا ہے مثلاً موسم گرما میں رات کا اس قدر مختصر ہونا کہ مغرب کی نماز کے بعد عشاء کی نماز کی اذان کی بجائے فجر کی اذان کا ہونا۔ اتنی مختصر رات تو نہیں ہوتی اور نہ اتنا دن مختصر ہوتا ہے پانچ چھ میل کا فاصلہ طے کرتے کرتے سورج غروب ہو جائے۔ یہاں اس نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ اسی طرح اس کا یہ کہنا کہ ایک درخت جو جڑ سے اُکھڑا پڑا تھا اس کی لمبائی ایک سو ہاتھ تھی اور اس پر اتنا ہی لمبا اور اتنا ہی موٹا سانپ لپٹا ہوا تھا خلافِ عقل بات لگتی ہے۔ اسی طرح اس کا یہ بیان کہ مقالبہ میں ایک ایسا آدمی رہتا تھا جس کا سر دیگچے کے برابر تھا انگلیاں ایک ایک بالشت بھر اور ناک ایک بالشت لمبی تھی کچھ مبالغہ آمیز لگتا ہے۔ یاجوج و ماجوج کے بارے میں اس کا بیان افسانہ لگتا ہے۔

بلغاروں کی ایک رسم بڑی دلچسپ بتائی ہے۔ آدمی کے مرنے پر عورتیں نہ روتی ہیں نہ بین کرتی ہیں بلکہ یہ کام مرد کرتے ہیں یا غلام۔ نیز یہ کہ دو برس کے بعد یا دوسری برسی کے

موقعہ پر مرنے والے کے قریبی عزیز اور رشتہ دار ایک پر تکلف دعوت کا اہتمام کرتے ہیں بالکل اسی طرح جس طرح آج کے پاکستانی معاشرے میں لوگ چہلم کی رسم ادا کرتے ہیں۔

روسیوں کے بارے میں بھی اس کا بیان خاصا مبالغہ آمیز ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میں نے جسمانی طور پر اتنے متناسب الاعضاء لوگ پہلے کبھی نہیں دیکھے تھے وہ کھجور کے درخت کی طرح قد آور ہیں۔ ابن فضلان نے والگا کے علاقے میں جن لمبے تڑنگے لوگوں کو دیکھا تھا وہ دراصل وائیکنگ یا نارمن کی "روس" نامی شاخ کے افراد تھے۔ نارمن قد کاٹھ میں یقیناً عام لوگوں سے زیادہ لمبے تھے۔ وہ عربوں کے مقابلے میں یقیناً لمبے تھے مگر اتنے بھی لمبے نہیں تھے کہ انہیں کھجور کے درخت سے تشبیہ دی جائے۔

ابن فضلان نے ان لوگوں کا جو نقشہ کھینچا ہے اور ان کے رسم و رواج اور طور طریقوں کو جس طرح سے بیان کیا وائیکنگ کے بارے میں اس کو بہت مستند سمجھا جاتا ہے اور حوالے کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "ہر ایک روسی کے پاس ایک کلہاڑی ہوتی ہے ایک تلوار ہوتی ہے اور ایک چاقو ہوتا ہے اور کوئی روسی ان کے بغیر نظر نہیں آتا"۔ نارمن بڑی جنگجو قوم تھی لہٰذا ان کا ہر وقت ہتھیار بند رہنا سمجھ میں آتا ہے۔ ابن فضلان کے نزدیک یہ لوگ دنیا کے غلیظ ترین لوگ ہیں۔ اس نے ان کی غلاظتوں کی جو تصویر کھینچی ہے وہ پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ "یہ لوگ پیشاب پاخانہ کر کے دھوتے ہیں اور نہ غسل جنابت کرتے ہیں۔ یہ لوگ بلا ناغہ ہر روز نہایت گندے پانی سے منہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ اسی پانی میں کلی کرتے ہیں اسی میں ناک سنکتے ہیں اور رینٹ کو اسی پانی میں ڈال دیتے ہیں۔ اسی پانی کو دوسرے لوگ بھی استعمال کرتے ہیں" بظاہر یہ ناقابل یقین سی بات ہے مگر وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ ویسے آج بھی انگلینڈ میں عام گھروں میں واش بیسن میں پانی بھر کے اسی میں منہ ہاتھ دھوتے ہیں۔ اگر اس زمانے میں ایسا ہوتا ہے تو ہزار بارہ سو برس پہلے وہ سب کچھ ہوتا ہوگا جس کا ذکر ابن فضلان نے کیا ہے۔

ابن فضلان نے جنس سے متعلق روسیوں کے جس ڈھیلے ڈھالے رواج کا ذکر کیا

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ہے آج یورپ اور امریکہ خاص کر اسکینڈے نیویا کے ملکوں کا دستور غالباً اسی رویے کا تسلسل دکھائی دیتا ہے۔ عورت کا جس قدر استحصال آج سے بارہ سو برس پہلے ہوتا ہے اسی طرح آج بھی ہو رہا ہے۔ فرق اتنا ہے کہ پہلے غلام زادیوں کے ساتھ اختلاط عام ہوتا تھا آج آزادی پسندوں کے ساتھ ہوتا ہے اور ان کی اپنی مرضی سے ہوتا ہے۔

ابن فضلان نے روسیوں (نارمنوں) کی ضعیف الاعتقادی کا بھی نقشہ کھینچا ہے کہ وہ کس طرح لکڑی کے بنے ہوئے خداؤں سے امداد طلب کرتے ہیں۔ اس نے ایک معزز روسی کی موت اور اس کے کریا کرم کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ بھی پڑھنے کے قابل ہے۔ اس نے بتایا کہ نارمنوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان کا کوئی سردار یا معزز آدمی مر جاتا تھا تو ایک کنیز کو قتل کر کے اس کے برابر میں رکھ دیتے تھے اور پھر دونوں کی لاشوں کو جہاز پر رکھ کر جہاز کو آگ لگا دیتے تھے۔ وہ کہتا ہے کہ روسیوں کے نزدیک اس طرح سے جلا دینے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ مرنے والا فوراً جنت میں پہنچ جاتا ہے۔

ان کی مردہ سوزی کی یہ رسم ہندوؤں کی مردہ سوزی کی رسم سے ملتی جلتی ہے۔ نارمن مرنے والے کے ساتھ کسی کنیز یا غلام کو اس کی رضا و رغبت سے قتل کر کے مردے کے ساتھ جلا دیتے تھے جبکہ ہندو مذہب میں مرنے والے کے ساتھ اس کی بیوی کو جلایا جاتا تھا۔

نارمن لوگ بہت سے خداؤں پر یقین رکھتے تھے ان کے بڑے خداؤں میں ''اودن''، ''تھور'' اور ''فرے'' شامل تھے۔ اودن علم و حکمت اور جنگ کا خدا تھا' اس کے علاوہ بے شمار ملکوتی صفات اور مافوق الفطرت قوتیں اس کے قبضے میں تھیں۔ تھور ناقابل یقین حد تک طاقتور مگر چالاک نہیں تھا اور فرے افزائش نسل کا خدا تھا اور اس کو بہت سخی اور فیاض سمجھا جاتا تھا۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے دیوی دیوتا تھے جن کی وہ ضرورت کے مطابق پرستش کرتے تھے۔ وہ ان خداؤں کے مجسمے بناتے جو لکڑی یا پتھر کے ہو سکتے تھے۔ ابن فضلان نے جن نارمنوں کو دیکھا وہ لکڑی کے بنے ہوئے اودن کے مجسموں کے سامنے سجدہ ریز ہو رہے تھے اور اس کو نذر پیش کر رہے تھے۔

ابن فضلان کی ملاقات جن نارمنوں سے ہوئی وہ تجارت کے لئے آئے تھے۔ لوٹ مار کرنے نہیں آئے تھے جس کے لئے وہ اس زمانہ خاص کر ایک سو سال پہلے مشہور تھے۔

روسیوں کے علاوہ اس نے خزر لوگوں کا بھی ذکر کیا ہے جو کسی زمانے میں علاقے کی سب سے بڑی' مضبوط اور استعماری طاقت تھے اور دسویں صدی کے اوائل میں بھی جب ابن فضلان ان کے علاقے سے گزر کر بلغارستان پہنچا تھا اور جن کے نام سے بحیرہ خزر منسوب ہے خزر خاقان ایک باجبروت فرمانروا تھا۔ پاس پڑوس کی چھوٹی چھوٹی قومیں اس کی باج گزار تھیں اور وہ ان سے بڑی سختی سے پیش آتا تھا۔ ابن فضلان بتاتا ہے کہ خزر خاقان کے حرم میں ۲۵ بیویاں اور ساٹھ کنیزیں تھیں جو خوبصورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ اس کی تمام بیویاں پڑوس کے کسی نہ کسی بادشاہ یا سردار کی بیٹیاں تھیں جن کو وہ برضا و رغبت یا بزور طاقت حاصل کرتا تھا۔ اس نے شاہ صقالبہ کی ایک بیٹی کو بھی بزور طاقت اپنی بیوی بنایا تھا مگر اس مسلمان شہزادی نے اس کے محل میں جا کر خودکشی کر لی تھی۔

ابن فضلان نے خاقان کے طرز حکومت پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ وہ بتاتا ہے کہ خزر بادشاہ لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔ گنے چنے صرف چند لوگوں سے ملتا ہے۔ اس کا نائب کاروبار حکومت چلاتا ہے۔ جنگ و امن کے فیصلے وہی کرتا ہے' جزا و سزا بھی اسی کے حکم سے دی جاتی ہے۔ ایک دلچسپ بات وہ یہ بتاتا ہے کہ خزر اپنے بادشاہ کو چالیس برس سے زیادہ حکومت نہیں کرنے دیتے۔ خزروں کا خیال ہے کہ چالیس سال حکومت کرنے کے بعد بادشاہ کی عقل ماری جاتی ہے اور اس کا دماغ چل جاتا ہے۔ اس لئے عمائدین اور اراکین حکومت اسے معزول کر کے قتل کر دیتے ہیں۔ بادشاہ کے حق حاکمیت پر اس طرح کی قدغن اس زمانے میں شاید کسی اور ملک میں نہیں تھی۔

آخر میں اس نے خزر قوم کی بادشاہت کے بارے میں دلچسپ باتیں بتائی ہیں۔ خزر لوگ بادشاہ کو قتل کر کے اس کے لئے ایک مقبرہ بناتے ہیں جس کے اندر بیس کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں قبر بنائی جاتی ہے اور ان میں سے کسی ایک قبر میں اس کو اُتارا جاتا

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ہے اور اس کے ساتھ ان تمام لوگوں کے سر قلم کر دیے جاتے ہیں جو تدفین کے وقت موجود ہوتے ہیں۔ مقصد یہ ہوتا ہے کہ کسی کو معلوم نہ ہونے پائے کہ بادشاہ کس قبر میں دفن ہے۔

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ یہ کتاب ابن فضلان کی اصل کتاب یا اصل کتاب کی اصل نقل پر مبنی نہیں ہے بلکہ اصل کتاب سے منقول کتابوں کے اقتباسات پر مبنی ہے۔ ابن فضلان کا اصل رسالہ یا اس کی اصل نقل تو شاید کہیں موجود نہیں ہے۔ اس کے صرف اقتباسات ملتے ہیں۔

ابن فضلان کی اس کتاب میں بعض جگہ تسلسل کا فقدان محسوس ہوتا ہے۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتاب ابن فضلان کی اصل کتاب یا اس کا براہ راست اقتباس نہیں ہے۔ بلکہ کسی اور شخص نے اس کی کتاب سے اقتباس نقل کیے ہیں اور "قال احمد بن فضلان" سے ابتدا کی ہے اگر یہ کتاب خود ابن فضلان کی ہوتی تو اس کی ابتدا قال احمد بن فضلان سے نہ ہوتی۔ بہر حال اس رسالے سے دسویں صدی کے ترکوں اور روسیوں کے طرز معاشرت کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے اور ان کے رسم و رواج رہن سہن کے طریقوں اور ان کے لباس اور مذہبی عقائد غرض کہ زندگی کے ہر شعبے کے بارے میں معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

حواشی و حوالا جات

۱ سمبل ۔ ایک گوشت خور ممل جو ایشیا اور یورپ کے انتہائی شمالی علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کی کھال پر سیاہ چمکدار بال ہوتے ہیں۔ اس سے کوٹ اور دیگر پوشاکیں خاص کر عورتوں کے ملبوسات بنائے جاتے ہیں۔ سمبل کا سمور بہت قیمتی ہوتا ہے۔

۲ گلہری ۔ یوں تو گلہری گرم ممالک میں بھی ہوتی ہے مگر انتہائی سرد علاقوں میں پائی جانے والی گلہری نہ صرف قد میں بڑی ہوتی ہے بلکہ اس کا سمور بھی زیادہ نرم اور گرم ہوتا ہے۔

۳ قاقم یا سنجاب ۔ نیولے کی قسم کا ایک چھوٹا سا جانور جو شمالی منطقے میں پایا جاتا ہے۔ یہ بھی دودھ پلانے والا (ممل) جانور ہے۔ اس کا سمور سفید اور دم سیاہ رنگ کی ہوتی ہے۔ طبقہ امراء کے لوگ اپنی شان و شوکت بڑھانے کے لئے اپنے چوغوں اور کوٹ کے کالر پر سنجاب کی جھالر لگاتے ہیں۔ سنجاب کی کھال بہت قیمتی ہوتی ہے۔ میر تقی میر کا شعر ہے:

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

منعم کے پاس قاقم وسنجاب تھا تو کیا اس ندی کی بھی رات کٹی جو کر طوق تھا

۴ داســـو ۔ نیولے کی نسل کا ایک گچھے دار دم والا ممس (دودھ پلانے والا) جانور۔ اسکی کھال سیاہی مائل بھورے رنگ کی ہوتی ہے۔ یہ جانور بھی شمالی منطقے کے جنگلات میں پایا جاتا ہے۔ اسکی کھال بھی بڑی قیمتی ہوتی ہے۔

۵ اود بلاؤ ۔ یہ بھی شمالی منطقے کے ملکوں میں پایا جاتا ہے۔ اس کو سگِ آبی بھی کہتے ہیں۔ اس کی پشم بھی قیمتی ہوتی ہے اور بالعموم عورتوں کے ملبوسات کی تیاری میں استعمال ہوتی ہے۔

۶ جندبید ستر ۔ ایک تیز بودار مادہ جو اود بلاؤ کے مخصوص غدودوں سے نکلتا ہے اور ادویات اور خشبویات سازی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ بھی بڑی قیمتی شے ہوتی ہے۔

۷ فندق ۔ ہیزل کی گری۔ ہیزل ایک چھوٹا سا درخت ہوتا ہے۔ اس کا پھل بادامی سُرخی مائل گری دار میوہ ہوتا ہے جس کو بُھون کر کھایا جاتا ہے۔ یہ درخت ایشیا اور یورپ کے علاوہ امریکہ میں بھی پایا جاتا ہے۔ اس کو یورپی اخروٹ بھی کہا جاتا ہے۔

۸ مــروان بن محمد ۱۲۷ھ میں خلیفہ بنا۔ اس نے ۱۳۲ھ تک حکومت کی۔ وہ بنو امیہ کا آخری حکمران تھا۔ بنو امیہ کے خلاف آلِ علی اور آلِ عباس کے خروج کے نتیجے میں ہونے والی جنگ میں اسے شکست ہوئی اور ۲ شکست ہوئی اور ۶۲ سال کی عمر میں آلِ علی کے حامیوں نے اسے قتل کر دیا تھا۔ اور اسی کے ساتھ مشرق میں بنو امیہ کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا جبکہ اسی خاندان کے ایک شہزادے عبدالرحمان نے مغرب میں بنو امیہ کی خلافت کا آغاز کیا۔

متن

رسالہ ابن فضلان

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

بغداد سے روانگی

ابن فضلان نے کہا: (قال ابن فضلان)

صقالبہ(۱) کے بادشاہ المش بن یلطوار(۲) نے امیر المومنین المقتدر(۳) کی خدمت میں ایک مکتوب ارسال کیا جس میں اس نے امیر المومنین سے درخواست کی کہ اس کے پاس کسی ایسے شخص کو بھیجا جائے جو اس کو مسائل دینی سمجھائے اور شریعت اسلامی (شرائع الاسلام) کی تعلیم دے اس کے لئے مسجد تعمیر کرے اور منبر نصب کرے جہاں سے وہ اپنے شہر (ہدہ) اور مملکت میں اسلام کی تبلیغ کر سکے اور اپنے نام کا خطبہ جاری کر سکے؛ نیز اس کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے تا کہ وہ اپنے ہمسایہ دشمن بادشاہوں کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔ اس کی درخواست منظور کر لی گئی اور ضروری انتظامات کرنے کی ذمہ داری نذیر الحرمی (۴) کے سپرد کر دی گئی۔

میرے ذمے امیر المومنین کی طرف سے شاہ صقالبہ کے نام بھیجے جانے والے مکتوب کو شاہ یلطوار کو پڑھ کر سنانا اور امیر المومنین کی طرف سے بھیجے جانے والے تحائف کو شاہ کی خدمت میں پیش کرنا اور فقہا اور معلمین کے کام کی نگرانی کرنا تھا۔ خوارزم میں واقع ابوالحسن ابن الفرات (۵) کی ''ارثخشمین'' نامی جائداد کو اس

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM
TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

(سفارت) پر آنے والے اخراجات کے مختص کر دیا گیا۔

شاہ صقالبہ کی طرف سے امیر المومنین المقتدر کے دربار میں آنے والے سفیر کا نام عبداللہ ابنِ باشتو الخزری (۶) تھا اور خلیفہ المقتدر کے سفیر کا نام سوسن الرسی (۷) تھا جو نذیر الحرمی کا مولیٰ تھا۔ تکین الترکی (۸) اور بارس صقلابی (۹) اس کے ہمراہ تھے اور جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں میں بھی ان کے ساتھ تھا۔ میں نے امیر المومنین کی طرف سے دیئے گئے وہ تحائف سفیر کے حوالے کئے جو شاہ بیلطوار اس کی بیوی اس کے بیٹوں اس کے بھائیوں اس کی فوج کے سالاروں کے لئے تھے۔ ان کے علاوہ وہ ادویات بھی سفیر کے سپرد کر دیں جو شاہ بیلطوار کو بھیجی جا رہی تھیں اور جن کی درخواست اس نے اپنے خط میں کی تھی۔

ہم سنہ ۳۰۹ ہجری (۱۰) کے ماہ صفر کی گیارہویں تاریخ بروز جمعرات مدینۃ السلام سے روانہ ہوئے۔ ہم ایک دن کے لئے "نہروان" (۱۱) میں ٹھہرے۔ وہاں سے بسرعت روانہ ہوئے اور "دسکرہ" (۱۲) پہنچے جہاں ہم نے تین دن قیام کیا۔ پھر ہم کہیں رُکے بغیر سیدھے "حلوان" (۱۳) پہنچے اور یہاں دو دن قیام کیا۔

حلوان سے چل کر ہم "قرمیسین" (۱۴) (کرمان شاہ) میں وارد ہوئے اور اس شہر میں دو دن قیام کیا۔ یہاں سے روانہ ہو کر "ہمدان" (۱۵) گئے۔ یہاں ہم نے تین دن قیام کیا۔ ہمدان سے چل کر "ساوہ" (۱۶) پہنچے اور ساوہ میں بھی دو دن مقیم رہے۔ یہاں سے چل کر ہم "رے" (۱۷) پہنچے۔ رے میں ہمیں احمد بن علی (۱۸) کے بھائی صعلوک (۱۹) کے انتظار میں گیارہ دن تک ٹھہرنا پڑا کیونکہ وہ اس وقت "خوار رے" (۲۰) (خُوارارِیے) گیا ہوا تھا۔ اس لئے ہم رے سے "خوار رے" چلے گئے جہاں ہم نے دو دن قیام کیا۔ "خوار رے" سے ہم "سمنان" (۲۱) کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں سے "دامغان" (۲۲) پہنچے۔ یہاں داعی (۲۳) کا نمائندہ ابنِ قارن (۲۴) ٹھہرا ہوا تھا۔ لہٰذا ہمیں اپنی شناخت چھپانی پڑی۔ دامغان سے ہم "نیشاپور" (۲۵) پہنچے۔ یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ لیلیٰ ابنِ نعمان (۲۶) کو قتل کر دیا گیا ہے۔ یہاں ہماری ملاقات "حمویہ

کوسا" (۲۷) سے ہوئی جو خراسان میں فوج کا سپہ سالار تھا۔

پھر یہاں سے ہم "سرخس" (۲۸) کے لئے روانہ ہوئے اور وہاں سے "مرو" (۲۹) اور "مرو" سے "قشمہان" (۳۰) میں وارد ہوئے جو دشتِ آمل (۳۱) کے کنارے پر واقع آخری شہر ہے۔ دشت کو عبور کرنے سے پہلے ہم نے یہاں تین دن قیام کیا تا کہ ہمارے اُونٹ آرام کر لیں۔ پھر ہم نے دشتِ آمل کو عبور کیا۔ اس کے بعد ہم دریائے جیحون (۳۲) کو پار کر کے "آفریز" (۳۳) میں وارد ہوئے جہاں طاہر ابنِ علی (۳۴) کا رباط (قلعہ) واقع ہے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

بخارا

آفریر سے ہم بیکند (۳۵) کے لئے روانہ ہوئے اور اس کے بعد بخارا (۳۶) میں داخل ہوئے جہاں ہم نے "الجیہانی" (۳۷) سے ملاقات کی جو امیر خراسان کا کاتب (سکریٹری) ہے اور جس کو خراسان میں "الشیخ العمید" (۳۸) کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ شیخ عمید نے ہمارے لئے ایک مکان کا انتظام کیا' ایک شخص کو ہماری خدمت پر مامور کیا تا کہ وہ ہماری ہر طرح کی ضروریات کا خیال رکھے اور ہماری خواہشات کو پورا کرے۔ ہم بخارا میں کئی روز مقیم رہے۔

پھر ہم نے نصر بن احمد (۳۹) سے ملاقات کی اجازت چاہی تا کہ ہم اس کی خدمت میں پیش ہو سکیں۔ ہمیں اذن حاضری ملا تو ہم اس کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ہم نے اسے ایک بغیر داڑھی والا نوجوان پایا۔ جب ہم اس کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے اسے سلام کیا۔ اس نے ہمیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اس نے جو پہلی بات ہم سے کی وہ یہ تھی:

"تم میرے مولا امیر المومنین' کو کس حال میں چھوڑ کر آئے ہو۔ اللہ انہیں' ان کے جوانوں اور دوستوں کو اپنی حفظ و امان میں رکھے۔ کیا وہ خیریت سے ہیں؟"

ہم نے جواب دیا "وہ خیر و عافیت سے ہیں' خوش و خرم ہیں"

وہ بولا "اللہ ان کی خوشیوں کو دوبالا کرے"

ان تعارفی کلمات کے بعد احمد بن نصر کو خلیفہ کا وہ خط پڑھ کر سنایا گیا جس کا مضمون یہ تھا کہ "الفرات کی ارتخشمشین (۴۰) والی جاگیر (ضیعہ) کا قبضہ الفرات کے وکیل فضل بن موسیٰ نصرانی (۴۱) سے لے کر احمد بن موسیٰ الخوارزمی (۴۲) کو دے دیا جائے اور فضل بن موسیٰ نصرانی سے انتقال ملکیت کی رسید لے کر اسے بھی الخوارزمی کے حوالے کر دی جائے۔ اور ہمیں (سفارت کو) ایک خط کے ساتھ خوارزم روانہ کر دیا جائے جس میں حاکم خوارزم کو یہ تاکید کی جائے کہ ہمارے (سفارت کے) سفر کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا ہونے دے۔ اور یہ کہ باب الترک کے کمانداروں سے کہا جائے کہ وہ اس سفارت کو ہر طرح کا تحفظ فراہم کریں اور اس بات کا خیال رکھے کہ سفارت کی کامیابی کی راہ میں کسی طرح کی رخنہ اندازی نہ ہونے پائے"۔

نصر بن احمد نے دریافت کیا "احمد بن موسیٰ کہاں ہے؟"

ہم نے جواب دیا "ہم اسے مدینۃ السلام میں چھوڑ آئے ہیں۔ اسے ہماری روانگی کے پانچ دن بعد روانہ ہونا تھا"۔

وہ بولا "میرے آقا و مولا امیر المومنین کا فرمان سر آنکھوں پر۔ اللہ ان کی عمر دراز کرے۔"

جب الفرات کے وکیل فضل بن موسیٰ نصرانی کو یہ خبر پہنچی کہ احمد بن موسیٰ ابھی تک یہاں نہیں پہنچا ہے تو اس نے احمد بن موسیٰ کے خلاف ایک چال چلی۔ اس نے سرخس (۴۳) کے فوجی علاقے سے بیکند جانے والے راستے کی حفاظت پر مامور اہل کاروں کو لکھا کہ۔ کارواں سراؤں اور فوجی چوکیوں پر جاسوس چھوڑ دیئے جائیں جو احمد بن موسیٰ الخوارزمی کا کھوج لگائیں۔ اس شخص کا حلیہ ایسا ایسا ہے اور وہ اس اس قد و قامت کا

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ہے۔ جو شخص اسے دیکھے اسے گرفتار کرلے اور اس وقت تک حراست میں رکھے جب تک پکڑنے والے کو ہماری طرف سے ہدایت موصول نہ ہو جائے۔" احمد بن موسیٰ کو مرو میں گرفتار کر کے حراست میں لے لیا گیا (۴۴)۔

ہم بخارا میں ۲۸ دن قیام پذیر رہے۔ فضل بن موسیٰ نصرانی نے عبداللہ ابن باشتو اور ہمارے دیگر ہمراہیوں کے ساتھ مل کر سازش کی۔ اس نے کہا کہ اگر ہم بخارا میں زیادہ دیر مقیم رہے تو جلد ہی سردی کا موسم شروع ہو جائے گا اور ہم خوارزم (۴۵) پہنچنے کا موقعہ کھودیں گے۔ رہا احمد بن موسیٰ کا معاملہ تو وہ اپنا کام پورا کر کے ہمارے ساتھ آملے گا۔

ابن فضلان نے کہا:

میں نے بخارا میں کئی اقسام کے درہم دیکھے۔ ایک درہم "غطریفی" (۴۶) کہلاتا ہے جو بنا تو تانبے کا ہوتا ہے مگر بظاہر سونے کا دکھائی دیتا ہے۔ کچھ درہم پیتل کے بنے ہوتے ہیں۔ ان درہموں کو بغیر وزن کئے قبول کرلیا جاتا ہے۔ ایک نقرئی درہم میں پیتل کے ایک سو درہم مل جاتے ہیں۔ بخارا میں شادی بیاہ کے موقعہ پر عورتوں کا مہر غطریفی درہم میں ہی یوں مقرر کیا جاتا ہے: "پسر فلاں ابن پسر فلاں کی شادی دختر فلاں کے ساتھ بہ عوض اتنے غطریفی درہم قرار پائی"۔

جائیداد اور غلاموں کی خرید و فروخت بھی اسی درہم میں ہوتی ہے۔ لین دین کے معاملات میں غطریفی درہم کے سوا کسی اور درہم کا ذکر نہیں ہوتا۔ دیگر اقسام کے درہم خالص پیتل میں ڈھالے جاتے ہیں۔ ایک "دانق" میں اس طرح کے چالیس درہم مل جاتے ہیں۔ ایک اور درہم بھی ہے جو "سمرقندی" یا سمرقندیہ کہلاتا ہے۔ اور ایک "دنق" (۴۷) چھ سمرقندی درہم کے برابر ہوتا ہے۔

خوارزم

جب میں نے عبداللہ بن باشتو اور دوسرے ساتھیوں سے یہ بات سنی کہ زمستان کا حملہ ہونے والا ہے تو ہم بخارا سے روانگی کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ اور بخارا سے چل پڑے۔ دریا کے کنارے پہنچ کر ہم نے خوارزم جانے کے لئے ایک کشتی کرایہ پر لی۔ جس جگہ ہم نے کشتی کرایہ پر لی وہاں سے خوارزم کا فاصلہ دو سو فرسخ (۴۸) سے زیادہ ہے۔ سردی کی شدت کے باعث پورا دن سفر کرنا ممکن نہیں تھا۔ ہم دن کے صرف ایک حصے میں سفر کر کے خوارزم پہنچے۔ یہاں ہم خوارزم کے امیر "محمد بن عراق خوارزم شاہ" (۴۹) سے ملے۔

اس نے ہمیں عزت بخشی اور ہماری پذیرائی کی۔ گرم جوشی کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور رہنے کے لئے مکان دیا۔ تین دن کے بعد اس نے ہمیں اپنے حضور طلب کیا اور ترک علاقے میں داخل ہونے کے مسئلے پر بحث کی۔ اس نے کہا" میں تم لوگوں کو ترک علاقے میں داخل ہونے کی اجازت نہیں دوں گا۔ میں اس بات کو مناسب نہیں سمجھتا کہ تم لوگ اپنی جان کو خطرے میں ڈالو کیونکہ میں جانتا ہوں کہ یہ ایک سازش ہے جو اس غلام یعنی تکین نے تیار کی ہے یہ شخص کبھی ہمارے یہاں لوہار کا کام کرتا تھا۔ اس کام میں مہارت حاصل کرنے کے بعد

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اس نے کافروں کے علاقے میں کام شروع کیا۔ اور اب بھی یہی کام کرتا ہے۔ یہی وہ شخص ہے جس نے نذیر کو فریب دیا اور اسے امیر المومنین سے رابطہ پیدا کرنے اور صقالبہ کے بادشاہ کا خط امیر المومنین کی خدمت میں پہنچانے پر اکسایا۔ حالانکہ امیر الاجل یعنی امیر خراساں اس بات کا زیادہ حقدار ہے۔ اس کے علاوہ تمہارے اور اس ملک کے درمیان جس کا تم ذکر کر رہے ہو (یعنی صقالبہ) کافروں کے ایک ہزار قبائل آباد ہیں۔ امیر المومنین کے سامنے حقائق کو غلط طور پر پیش کیا گیا ہے۔ میں نے تمہیں صائب مشورہ دیا ہے اور اس لئے یہ لازم ہے کہ امیر الاجل امیر خراساں کی خدمت میں ایک عریضہ بھیجا جائے اور ان سے درخواست کی جائے کہ وہ امیر المومنین ایدہ اللہ سے تحریری طور پر اس معاملے پر صلاح مشورہ کریں۔ لہٰذا جب تک ان کا جواب نہیں آجاتا آپ لوگ یہیں رُکے رہیں۔

اس روز تو ہم اس کے پاس سے چلے آئے مگر دوسرے دن پھر اس کے پاس گئے اور بڑے ادب کے ساتھ گزارش کی اور خوشامدانہ انداز میں اس سے کہا "یہ امیر المومنین کا حکم ہے اور امیر المومنین کے مکتوب کی موجودگی میں اس سلسلے میں کسی اور کی طرف سے مزید مراسلت کی کیا ضرورت ہے۔ اس کے سامنے ہم اپنا معاملہ اس وقت تک بہ اصرار پیش کرتے رہے جب تک کہ اس نے ہمیں سفر جاری رکھنے کی اجازت نہ دے دی۔

خوارزم سے ہم جرجان (جرجانیہ) (۵۰) کے لئے روانہ ہوئے۔ اور دریا کے راستے سے خوارزم اور جرجان کے درمیان پچاس فرسخ فاصلہ ہے۔

میں نے خوارزم میں کئی اقسام کے درہم دیکھے جن میں کچھ تو کھوٹے تھے، کچھ سیسے کے بنے ہوئے تھے، کچھ جعلی تھے اور کچھ پیتل کے بنے ہوئے تھے۔ یہاں درہم کو "طازجہ" (۵۱) کہا جاتا ہے اور اس کا وزن ساڑھے چار دنق ہوتا ہے۔ یہاں سکوں کا لین دین کرنے والے صراف کعاب (۵۲) (مہرے) بچوں کے کھیلنے کے لٹو اور درہم بیچتے ہیں۔ یہاں کے لوگوں کا طرز تکلم اور اخلاق انتہائی وحشت انگیز ہے۔ اور باتوں کے علاوہ ان کی بولی ایسی ہے جیسے درختوں پر بیٹھے ہوئے پرندے شور مچاتے ہیں۔

اس علاقے میں ایک گاؤں ہے جو جرجانیہ سے ایک دن کی مسافت پر واقع ہے، جسے "اردکو" (۵۳) اور اس کے مکینوں کو "کردلیہ" کہتے ہیں۔ ان لوگوں کی بولی مینڈک کے ٹرانے سے مشابہت رکھتی ہے۔ یہ لوگ ہر نماز کے بعد امیر المومنین علی ابن ابی طالب رضی اللہ سے اپنی برآت کا اظہار کرتے ہیں۔ (۵۴)

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

جرجان

جرجانیہ میں ہم کئی دن ٹھہرے رہے کیونکہ دریائے جیحون میں ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک برف جمی ہوتی تھی۔ برف کی تہہ بہت دبیز تھی' کوئی سترہ بالشت موٹی۔ گھوڑے' خچر' گدھے اور گاڑیں اس کی سطح پر اس طرح گزرتی تھیں جیسے کہ وہ عام سڑک پر چلتی ہیں۔ برف بڑی سخت جمی ہوئی تھی۔ کہیں پر بھی نرم نہیں تھی۔ یہ حالت کوئی تین مہینے تک قائم رہتی ہے۔

یہاں ہم نے ایسا علاقہ دیکھا جس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے' صرف قیاس کر سکتے ہیں۔ جب وہاں پہنچے تو یوں لگا جیسے زمہریر (۵۵) کا دروازہ کھل گیا ہے۔ یہاں برف باری ہوتی ہے تو باد و باراں کا طوفان ضرور آتا ہے۔ اس کے بغیر یہاں برف نہیں پڑتی۔ اس موسم میں اگر کوئی شخص اپنے کسی دوست کی ضیافت کرنا چاہتا ہے تو وہ اس سے کہتا ہے کہ "میرے گھر چلو' وہاں بیٹھ کر باتیں کریں گے کیونکہ میرا گھر خوش گوار حد تک گرم ہے۔" وہ اپنے دوست کو دعوت صرف اس صورت میں دیتا ہے جبکہ وہ اپنے دوست پر مہربانی کرنا چاہتا ہو اور اس کو خاص لطف و کرم سے نوازنا چاہتا ہو۔ اللہ کا ان لوگوں پر بڑا کرم ہے کہ

انہیں جلانے کے لئے لکڑی وافر مقدار میں میسر ہے اور نہایت ارزاں قیمت پر ملتی ہے۔ گاڑی بھر تاغ (طاغ) (۵۶) کی سوختنی لکڑی جس کا وزن تقریباً تین ہزار رطل (۵۷) ہوتا ہے ان کے دو درہم میں آ جاتی ہے۔

یہاں کے گداگروں کا چلن کچھ اس طرح سے ہے۔ گداگر گھر کے باہر دروازے پر کھڑا نہیں ہوتا بلکہ وہ دروازے کے اندر آ جاتا ہے۔ آتے ہی آگ تاپنے کے لئے چولھے کے سامنے بیٹھ جاتا ہے۔ جب وہ اپنے جسم کو اچھی طرح سے گرم کر لیتا ہے تو صاحب خانہ سے کہتا ہے "پکند" یعنی روٹی۔ اگر اسے کچھ روٹی دیدی جائے تو وہ لے لیتا ہے ورنہ آگ تاپنے کے بعد باہر نکل جاتا ہے (۵۸)۔

جرجانیہ میں ہمارا قیام طویل ہو گیا۔ ہم نے یہاں پر ماہ رجب کے کچھ دن اور شعبان' رمضان اور شوال کے مہینے گزارے۔ اس طویل قیام کی وجہ یہ تھی کہ ان مہینوں میں بلا کی سردی پڑ رہی تھی۔ سردی کی تندی اور تیزی کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ مجھے بتایا گیا کہ دو آدمی سوختنی لکڑی لانے کے لئے جنگل میں گئے۔ ان کے پاس بارہ اونٹ تھے۔ مگر وہ چقماق اور آگ جلانے کا دوسرا سامان اپنے ساتھ لے جانا بھول گئے۔ ان چیزوں کے بغیر وہ آگ نہ جلا سکے اور انہیں آگ کے بغیر رات گزارنا پڑی۔ سردی کی شدت کے باعث دونوں آدمی اور سارے اونٹ اکڑ کر مر گئے (۵۹)۔

میں نے دیکھا کہ شدید سردی کے باعث کوچہ و بازار ویران ہو جاتے ہیں اور کہیں کوئی بندہ نظر آتا ہے اور نہ کوئی جانور۔ جب بھی میں حمام سے باہر آتا اور اپنے گھر میں داخل ہوتا اور اپنی داڑھی کو ہاتھ لگاتا تو معلوم ہوتا کہ میری داڑھی پر برف جم چکی ہے اور میں جلد ہی آگ کے سامنے بیٹھ کر اپنی داڑھی کو درست کرتا۔

میری رہائش ایک ایسے کمرے میں تھی جو ایک بڑے گھر کے اندر بنا ہوا تھا۔ یہ ایک ترکستانی طرز کا بنا ہوا خیمہ تھا جو نمدے کا بنا ہوا تھا۔ اگرچہ میں اوپر تلے کئی کپڑے پہنے رہتا تھا اور سمور اور غالیچے میں لپٹا رہتا تھا پھر بھی رات میں سوتے ہوئے سردی کے باعث

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

میرے رخسار تکیے کے ساتھ چپک جاتے تھے(۶۰)۔

میں نے دیکھا کہ سردی کے اس موسم میں مٹی کے بڑے بڑے گھڑوں کو بھیڑ کی کھال سے ڈھانپ دیا جاتا ہے تاکہ وہ سردی کی شدت کے باعث ٹوٹ پھوٹ کا شکار نہ ہو جائیں یا ان میں دراڑیں نہ پڑ جائیں۔ مگر گھڑے پھر بھی پھٹ جاتے ہیں(۶۱)۔

میں نے دیکھا کہ سردی کی شدت کی وجہ سے زمین میں جگہ جگہ دراڑیں پڑ جاتی ہیں اور برف جم جانے کے باعث ندی نالے خشک ہو جاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا کہ سردی کی شدت کے سبب ایک تناور بوڑھا درخت ٹوٹ کر دو حصوں میں بٹ کر گر گیا(۶۲)۔

ماہ شوال ۳۰۹ھ کے وسط میں موسم بدلنا شروع ہوا۔ دریائے جیحون میں جمی ہوئی برف پگھلنے لگی تو ہم نے سفر کی تیاریاں شروع کیں اور ضروری ساز و سامان خریدنا اور ذخیرہ کرنا شروع کیا۔ ہم نے ترکی نسل کے اُونٹ خریدے، اُونٹ کی کھال کی بنی ہوئی کشتیاں خریدیں تاکہ ان کے ذریعہ سے ترک علاقے میں واقع دریاؤں کو عبور کیا جاسکے۔ ان کے علاوہ ہم نے تین ماہ کی ضرورت کے لئے روٹی، اناج اور خشک نمکین گوشت (۶۳) کا ذخیرہ کیا۔

شہر کے جن لوگوں سے ہمارے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے انہوں نے مشورہ دیا بلکہ ہدایت کی کہ ہم اشیائے خوردنی کے علاوہ ضرورت کے ملبوسات بھی معقول تعداد میں اپنے ساتھ لے جائیں۔ انہوں نے ہمارے سامنے آنے والے دنوں میں پڑنے والی سردی کی تندی و تیزی کا کچھ اس انداز سے ذکر کیا کہ ہم خوف زدہ سے ہو گئے۔ ہم نے سمجھا کہ یہ لوگ مبالغہ سے کام لے رہے ہیں لیکن جب موسم سے واسطہ پڑا تو معلوم ہوا کہ انہوں نے ہمیں جتنا ڈرایا تھا معاملہ اس سے کہیں زیادہ گھمبیر تھا۔

روانگی سے قبل ہم نے جو لباس زیب تن کیا وہ اس طرح سے تھا "ہر ایک نے ایک قرطق (۶۴) پہنا۔ اس کے اُوپر ایک جبہ (۶۵) اور اس کے اوپر ایک عدد پوستین اور ان سب کے اوپر ایک لبادہ جس کو "برنس" کہتے ہیں۔ زیریں حصے میں سروال (۶۶) اور

اس کے نیچے معمولی سا زیر جامہ۔ پاؤں میں عام گھریلو استعمال کے جوتے اور جوتوں کے اوپر لمبے چرمی جفت۔ اس لباس کو پہن کر اُونٹ پر سوار ہو جانا تو زیادہ مشکل نہیں مگر اُونٹ کے اوپر بیٹھ کر حرکت کرنا یا اترنا کافی دشوار کام ہوتا ہے۔

بغداد سے جو فقہاء اور معلمین اور غلام ہمارے ساتھ آئے تھے وہ ہم سے رخصت لے کر یہیں (جرجانیہ میں) رُک گئے کیونکہ یہ لوگ ترک علاقے میں داخل ہوتے ہوئے ڈر رہے تھے۔ یہاں سے میں سفیر صاحب اُس کے برادر نسبتی اور دونوں غلاموں یعنی تکین اور بارس کے ساتھ اگلے سفر پر روانہ ہوا(۶۷)۔ جب قافلہ روانہ ہونے لگا تو میں نے ان سے کہا: "اے لوگو! بادشاہ کا غلام تمہارے ساتھ ہے اور اسے تمہارے حالات و معاملات کا پوری طرح سے علم ہے، سلطان (خلیفہ المقتدر) کے خطوط تمہارے پاس ہیں اور مجھے اس بات پر کوئی شک نہیں ہے کہ ان خطوط میں شاہ صقالبہ کے لئے چار ہزار دینار "دینار المسیبیہ" (۶۸) کا ذکر ہے۔ آپ ایک غیر عرب بادشاہ کی طرف جا رہے ہیں اور وہ ہم سے اس کا (یعنی چار ہزار دینار کا) تقاضا کرے گا (کیونکہ امیر المومنین کے مکتوب میں شاہ صقالبہ کے لئے چار ہزار دینار کی رقم بھیجنے کا ذکر ہے)۔ اس کے جواب میں انہوں نے یعنی سفیر اور اہل سفارت نے کہا "تم اس کی فکر مت کرو۔ وہ ہم سے اس رقم کا تقاضہ نہیں کرے گا۔" میں نے انہیں خبردار کیا: مجھے معلوم ہے کہ وہ تم سے اس کا ضرور مطالبہ کرے گا۔ مگر انہوں نے میرے انتباہ پر کوئی کان نہیں دھرا۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

جرجانیہ سے روانگی

کارواں کا سازوسامان سب اچھی حالت میں تھا۔ ہم نے جرجانیہ کے لوگوں میں سے ایک شخص کو جس کا نام "قلواس" تھا اپنی رہبری کے لئے ساتھ لے لیا۔ پھر ہم نے توکل علی اللہ دوشنبے (اتوار) کے دن ذیقعدہ ۳۰۹ھ (۶۹) کو جرجان سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔

جرجان سے روانہ ہو کر ہم "زمجان" (۷۰) نامی رباط (قلعہ) پہنچے جو ترک علاقے کے دروازہ (باب الترک) کے قریب واقع ہے۔ یہاں سے ہم دوسرے دن روانہ ہوئے اور "جیت" (۷۱) نامی مقام پر جا کر قیام کیا۔ یہاں اتنی شدید برفباری ہوئی کہ ہمارے اُونٹ گھٹنوں گھٹنوں برف میں دھنس گئے۔ لہٰذا ہمیں دو دن کے لئے اسی مقام پر قیام کرنا پڑا۔

جیت سے روانہ ہو کر ہم ترک علاقے میں داخل ہوئے اور سفر کرتے ہوئے کافی اندر تک چلے گئے۔ یہاں کے غیر آباد' بنجر مگر ہموار میدانی علاقوں میں دور دور تک کوئی انسان نظر نہیں آیا۔ مسلسل برفباری اور کڑی سردی کے باوجود ہم اس علاقے میں دس دن تک سفر کرتے رہے۔ خوارزم کی سردی تو یہاں کے موسم گرما کے موسم جیسی تھی۔ چنانچہ ہم وہ تمام کلفتیں اور سختیاں بھول گئے جن کا ہمیں اب سے پہلے واسطہ پڑا تھا کیونکہ اب تو ہم تباہی

کے دہانے پر پہنچے ہوئے تھے۔

ایک دن ہم انتہائی سردی کے موسم میں سفر کر رہے تھے اور تکین اپنے گھوڑے پر سوار میرے پہلو میں چل رہا تھا۔ تکین کے برابر میں ایک ترک گھڑ سوار چل رہا تھا۔ دونوں اپنی زبان (ترکی) میں باتیں کر رہے تھے کہ تکین نے اچانک قہقہہ مارا۔ میں نے اس کی طرف دیکھا" اور دریافت کیا کہ کیا بات ہے' یہ ترک تم سے کیا کہہ رہا ہے"۔ تکین نے جواب دیا" یہ ترک تم سے پوچھ رہا ہے کہ خداوند ہم سے کیا چاہتا ہے؟ کیوں ہمیں سردی سے مار رہا ہے؟۔ اگر معلوم ہو جائے کہ خداوند کیا چاہتا ہے تو یقیناً ہم ان کی خدمت میں نذر پیش کر دیں"

میں نے تکین سے کہا" اس ترک سے کہو کہ اللہ چاہتا ہے کہ تم "لا الہ الا اللہ" کہو۔

اس پر وہ ترک ہنسا اور بولا" اگر ہم جانتے کہ اللہ کے سوا کوئی اور معبود نہیں ہے تو ہم یقیناً لا الہ الا اللہ کہہ دیتے"۔

اس کے بعد ہم ایک ایسی جگہ پر پہنچے جہاں تاغ (طاغ) لکڑیوں کا بہت بڑا ذخیرہ تھا۔ ہم یہاں پر رُک گئے۔ کارواں والوں نے آگ روشن کی: الاؤ دہکایا' ہم سب نے آگ تاپی' اپنے کپڑے اتارے اور انہیں سکھانے کے لئے پھیلا دیا۔

پھر ہم یہاں سے روانہ ہوئے اور بغیر قیام کیے چلتے گئے۔ ہم آدھی رات کو سفر کا آغاز کرتے اور ظہر کی نماز کے وقت تک سفر کرتے رہتے۔ ظہر کے بعد زیادہ سے زیادہ فاصلہ طے کرنے کی غرض سے تیز رفتاری کے ساتھ سفر کرتے اور شام پڑنے کے بعد آدھی رات تک قیام کرتے۔ جب ہم پندرہ راتیں سفر کر چکے تو ایک پہاڑ کے دامن میں پہنچے جہاں بڑی بڑی چٹانیں تھیں۔ ان چٹانوں میں سے چشمے پھوٹ رہے تھے اور چشموں کا پانی قریب کے نشیبی علاقے میں چھوٹی چھوٹی جھیلوں کی شکل میں جمع ہو رہا تھا۔ اس مقام کو عبور کرتے ہی ہم ترک علاقے میں داخل ہو گئے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ترک قبیلہ غز

یہ غز (۷۲) نامی ترک قبیلہ کا مسکن تھا۔ یہ لوگ خانہ بدوش ہیں اور نمدے کے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں۔ وہ کسی ایک جگہ پر ٹک کر نہیں رہتے' ایک مقام پر کچھ عرصہ قیام کرنے کے بعد کسی اور جگہ پر منتقل ہو جاتے ہیں۔ خانہ بدوشوں کی روایت کے مطابق ان کی رہائشیں بدلتی رہتی ہیں۔ آج یہاں تو کل وہاں' وہ آوارہ گدھوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ نہ اللہ کو مانتے ہیں' نہ مذہب کو جانتے ہیں اور نہ عقل و شعور سے ان کو کوئی سروکار ہے۔ یہ لوگ کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ وہ اپنے سردار کو خداوند یا مولا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں۔ جب کسی ترک کو اپنے سردار سے کسی مسئلے پر مشورہ کرنا ہوتا ہے تو وہ اس سے یوں کہتا ہے "اے میرے خداوند یا اے میرے مولا بتا میں اس معاملے میں کیا کروں"۔

ان کے معاملات باہمی صلاح مشورے سے طے پاتے ہیں۔ جب کوئی بات طے پا جاتی ہے تو پھر سب اس پر عمل کرتے ہیں۔ جو آدمی متفقہ فیصلے سے روگردانی کرتا ہے اور اس پر عمل نہیں کرتا یا اس کے خلاف عمل کرتا ہے تو اس کو کمینہ اور قابل نفریں سمجھا جاتا ہے۔

میں نے انہیں لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ کہتے سنا مگر وہ ایسا صرف

مسلمانوں کے قریب آنے اور مسلمانوں سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کرتے ہیں۔ وہ اس کلمے پر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کا کوئی شخص اگر کوئی بُرا کام کرتا ہے یا کوئی ایسی بات ہوتی ہے جس سے وہ کراہت محسوس کرتا ہے تو وہ آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر کہتا ہے "بیر تنگری" جس کا ترکی زبان میں مطلب ہے "خدائے واحد" یعنی بیر = ایک اور تنگری = خدا (۷۳)۔

غز لوگ پیشاب یا پاخانہ کر کے طہارت نہیں کرتے اور نہ مباشرت کے بعد غسل جنابت کرتے ہیں اور نہ کسی اور وجہ سے نہاتے ہیں۔ پانی سے انہیں کوئی خاص سروکار نہیں ہے۔ وہ پانی استعمال نہیں کرتے' خاص کر زمستان میں۔

ان کی عورتیں نہ اپنوں سے پردہ کرتی ہیں اور نہ غیروں سے۔ اسی طرح وہ اپنے جسم کے کسی حصے کو کسی آدمی سے خواہ وہ اس کا اپنا ہو یا پرایا چھپا کر نہیں رکھتیں۔

ایک دن ہم ایک ترک کے گھر میں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اس کی بیوی بھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ باتیں کرتے کرتے ہم نے اس کی طرف دیکھا تو اس نے اپنی شرم گاہ کھولی اور بے تکلفی سے کھجانے لگی۔ میں نے اس کو اس حالت میں دیکھا تو مارے شرم کے اپنے دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا لیا اور "استغفر اللہ" کہا۔

اس پر اس کا شوہر ہنسا اور ہنس کر ترجمان سے کہا "اس سے کہو کہ اس نے تمہاری موجودگی میں اپنی شرم گاہ کو اس لئے ننگا کیا تا کہ تم اس کو دیکھ لو۔ مگر وہ اپنی شرم گاہ کی خوب حفاظت کرتی ہے۔ اور کسی کے ہاتھ کو اس تک پہنچنے نہیں دیتی۔ یہ بات اس سے بہتر ہے کہ شرم گاہ چھپی تو رہے مگر ہر ایک کا ہاتھ اس تک پہنچ جائے"۔

غز لوگوں میں زنا کاری مفقود ہے۔ اگر کسی شخص کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ زنا کا مرتکب ہوا ہے تو وہ چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیتے ہیں اور وہ اس طرح سے کرتے ہیں کہ وہ دو درختوں کی سبز مضبوط شاخوں کو کھینچ کر ایک دوسرے کے قریب لاتے ہیں۔ پھر زانی کی ایک ٹانگ کو ایک شاخ کے ساتھ اور دوسری ٹانگ کو دوسری شاخ کے ساتھ باندھ دیتے ہیں اور پھر دونوں شاخوں کو چھوڑ دیتے ہیں۔ اس طرح

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

شاخوں میں بندھا ہوا آدمی دو حصوں میں بٹ کر رہ جاتا ہے۔

ایک ترک نے مجھے قرآن پاک کی تلاوت کرتے سنا تو اس کو قرأت بہت پسند آئی۔ اس نے ترجمان سے کہا" اس عرب سے پوچھو کہ کیا تمہارے خدائے عزوجل کی بیوی ہے؟" میں یہ بات سن کر چکرا گیا۔ میں نے "سبحان اللہ" اور "استغفراللہ" کہا۔ تو اس پر اس ترک نے بھی توبہ و استغفار کیا۔ ترکوں کا طریقہ ہے کہ جب وہ کسی مسلمان کو استغفراللہ اور سبحان اللہ کہتے سنتے ہیں تو خود بھی یہی کہنا شروع کر دیتے ہیں۔

ترکوں کے رسم و رواج

ان کے شادی بیاہ کے رسم و رواج کچھ اس طرح ہیں:

شادی کا خواہش مند کسی شخص سے اس کی کسی زیر کفالت لڑکی کا خواہ اس کی بیٹی ہو یا بہن یا کوئی اور' چند خوارزمی ملبوسات (ثوب) کے عوض رشتہ طلب کرتا ہے۔ اگر کفیل کو اس کی پیش کش منظور ہو تو پھر رشتے کا طلب گار یہ ملبوسات براہ راست لڑکی کو پیش کرتا ہے۔ کبھی کبھی دلہن کی قیمت اُونٹوں یا سواری کے لائق کسی اور جانور مثلاً گھوڑے' خچر یا گدھوں کی شکل میں بھی ادا کی جاتی ہے۔ کبھی کبھی کسی اور جنس میں بھی قیمت ادا کی جاتی ہے۔ جب تک لڑکی کے سرپرست یا کفیل کے ساتھ طے کردہ شرائط پوری نہیں ہو جاتیں اور مطلوبہ رقم ادا نہیں کر دی جاتی تب تک طلب گار مرد کو لڑکی کے قریب جانے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جب وہ لڑکی کے سرپرست کو مطلوبہ رقم ادا کر دیتا ہے تو پھر وہ بڑی بے تکلفی کے ساتھ لڑکی کے گھر میں داخل ہو کر مکان کے اس حصے میں چلا جاتا ہے جہاں لڑکی موجود ہو اور پھر وہ لڑکی کو اس کے ماں باپ اور بھائیوں کی موجودگی میں اُٹھا کر لے جاتا ہے اور وہ لوگ اسے ایسا کرنے سے نہیں روکتے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

جب کوئی ایسا ترک مر جاتا ہے جس کے بیوی بچے ہوں تو اس کا سب سے بڑا بیٹا مرنے والے کی بیوی سے شادی کر لیتا ہے بشرطیکہ وہ اس کی سگی ماں نہ ہو (۷۴)۔

کوئی سوداگر یا کوئی اور شخص کسی ترک کی موجودگی میں وضو نہیں کر سکتا' نہ غسل جنابت کر سکتا ہے۔ ایسا وہ صرف رات کی تاریکی میں وہ بھی ترکوں کی نظروں سے اوجھل رہ کر کر سکتا ہے۔ اگر وہ کسی کو پانی استعمال کرتے دیکھ لیں تو غصہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آدمی ہم پر جادو کرنا چاہتا ہے کیونکہ وہ پانی کی طرف دیکھ رہا ہے"۔ چنانچہ وہ پانی استعمال کرنے والے پر ایک خاص رقم کا جرمانہ کر دیتے ہیں۔

کوئی مسلمان کسی ترک کو دوست بنائے بغیر ترک علاقے میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اور اگر کوئی مسلمان دوست بن کر ان کے علاقے میں جائے تو پھر اسے اسی شخص کے ہاں قیام کرنا پڑتا ہے جس کی دعوت پر وہ وہاں جاتا ہے۔ ایسے مسلمان اپنے ترک دوست کے لئے ایک عدد فرغل' دوست کی بیوی کے لئے حجاب' (۷۵) تھوڑی سی کالی مرچیں' تھوڑا سا اناج' تھوڑی سی کشمش اور کچھ خشک میوہ جات لے کر جاتے ہیں۔ جب کوئی مسلمان اپنے ترک دوست کے گھر پہنچتا ہے تو ترک میزبان اس کے لئے الگ سے ایک خیمہ نصب کرتا ہے اور اپنی حیثیت کے مطابق چند بھیڑیں اس کی خدمت میں پیش کرتا ہے تاکہ مسلمان مہمان اپنے طریقے کے مطابق ذبح کر کے کھا سکے کیونکہ ترک جانور کو ذبح کر کے نہیں کھاتے بلکہ وہ جانور کو مار مار کر ہلاک کرتے ہیں اور پھر اس کا گوشت کھاتے ہیں۔

اگر کوئی مسلمان مہمان اپنے ترک دوست سے رخصت ہونا چاہے اور اس کے کچھ اونٹ اڑ جائیں اور چلنے سے انکاری ہو جائیں یا اگر اسے پیسے کی ضرورت ہو تو وہ اپنے اونٹ اپنے ترک میزبان کے ہاں چھوڑ جاتا ہے اور اپنے میزبان سے اپنے اونٹ یا اونٹوں کی قیمت لے جاتا ہے یا سواری کے لئے کوئی جانور لے کر رخصت ہو جاتا ہے۔ پھر جب وہ اپنی منزل سے واپس آتا ہے تو اپنے ترک دوست سے لئے ہوئے پیسے یا سواری کا جانور واپس کر دیتا ہے (۷۶)۔

اگر کوئی اجنبی کسی ترک کے پاس آ جائے اور کہے کہ "میں تمہارا مہمان ہوں۔ مجھے تمہارے کچھ اونٹ چاہئیں یا سواری کے لئے کوئی جانور چاہئے یا کچھ رقم چاہئے" تو ترک بالعموم اس کی ضرورت پوری کر دیتا ہے۔ اگر یہ اجنبی کوئی سوداگر ہو اور دوران سفر مر جائے تو جب کاروان واپس آتا ہے تو یہ ترک کارواں والوں سے کہتا ہے کہ "میرا مہمان کہاں ہے؟" اگر اسے بتایا جائے کہ وہ تو مر گیا ہے تو ترک اونٹوں پر لدا ہوا مال اتروا لیتا ہے۔ پھر وہ کارواں کے کسی معتبر اور محترم دکھائی دینے والے سوداگر کے پاس جاتا ہے اس کے سامنے سامان کھولتا ہے۔ اور اس میں سے اتنی رقم کا مال نکال کر لے لیتا ہے جتنی رقم اس نے مرنے والے اجنبی کو دی تھی۔ وہ اپنی دی ہوئی رقم سے ایک پیسہ زیادہ نہیں لیتا۔ اسی طرح وہ ان کے (قافلے والوں کے) سواری کے جانوروں اور گھوڑوں سے چند تنگ یہ کہہ کر رکھ لیتا ہے کہ مرنے والا تمہارا (قافلے والوں کا) ہم زاد تھا اور اس کا قرض اتارنا تم سب کی ذمہ داری ہے" (۷۷)۔

اگر کوئی سوداگر کسی ترک کی رقم لے کر بھاگ جاتا ہے تو بھی وہ یہی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "تمہاری طرح وہ بھی مسلمان ہے۔ جو کچھ تم مجھے دے رہے ہو وہی کچھ تم اس سے وصول کر لینا"۔ اگر اس سے رقم لے کر بھاگ جانے والا مسلمان مہمان ہاتھ نہیں آتا تو وہ اس کے بارے میں ہر طرح کی معلومات جمع کرتا ہے۔ وہ کھوج لگاتا ہے کہ اس کا وطن کہاں ہے اور اس کا ٹھکانہ کہاں ہے۔ اگر اس کے ٹھکانے کا پتہ چل جائے تو وہ اس کی تلاش میں سرگرداں ہو جاتا ہے اور کئی کئی دن اس کو ڈھونڈتا پھرتا ہے اور تلاش اس وقت تک جاری رکھتا ہے جب تک کہ وہ اس جگہ نہیں پہنچ جاتا جہاں یہ مقروض مسلمان مقیم ہوتا ہے۔ تب یہ مسلمان وہ سب کچھ ترک کے حوالے کر دیتا ہے جو اس نے ترک سے قرض لیا ہوتا ہے۔ اسی کے ساتھ ترک وہ تمام تحائف بھی مسلمان کو واپس کر دیتا ہے جو مسلمان نے اس کو دیئے ہوں یعنی دوستی ختم!

اسی طرح جب کوئی ترک اپنے علاقے سے نکل کر جرجانیہ جاتا ہے تو وہ بھی اپنے مسلمان دوست کے پاس جا کر قیام کرتا ہے۔ اگر مسلمان دوست کے گھر میں قیام کے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

دوران کسی ترک کا انتقال ہو جائے تو اگر ترکوں کے علاقے میں سفر کرنے والے کسی قافلے میں اس مسلمان کے موجود ہونے کا علم ترکوں کو ہو جائے تو وہ اس مسلمان کو قتل کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "تم نے اس کو اپنے گھر میں قید کر کے مار ڈالا تھا۔ اگر تم اسے قید نہ رکھتے تو وہ نہیں مرتا" اسی طرح اگر کوئی مسلمان کسی ترک کو نبیذ پلا دے اور نشہ کی وجہ سے ترک کسی کنویں میں گر کر مر جائے تو وہ انتقام کے طور پر مسلمان کو قتل کر دیتے ہیں۔ اگر اس طرح سے مرنے والے ترک کا مسلمان دوست کارواں کے اندر نہ ملے تو وہ کارواں میں شامل کسی بزرگ سوداگر کو قتل کر کے انتقام لیتے ہیں۔

ترک اغلام (۷۸) کو ایک بہت بڑی برائی سمجھتے ہیں۔ ایک دفعہ خوارزم کا ایک سوداگر بھیڑیں خریدنے کے لئے ایک "کوذرکین" کے علاقے میں آیا اور ایک ترک میزبان کے گھر میں ٹھہرا۔ اس ترک کا ایک بیٹا تھا جس کے چہرے پر ابھی سبزہ نہیں آیا تھا۔ سوداگر نے اس نوخیز لڑکے کو رام کرنے کی کوشش کی اور بالآخر اس کو اپنی راہ پر لانے میں کامیاب ہو گیا۔ کرنا ایسا ہوا کہ عین وقت پر لڑکے کا باپ خیمے کے اندر آ گیا اور سوداگر کو رنگے ہاتھوں پکڑ لیا۔ ترک نے کوذرکین سے شکایت کی اور تمام لوگوں کو جمع کر لیا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو کوذرکین نے ترک سے کہا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ میں انصاف کے مطابق فیصلہ کروں یا چاہتے ہو کہ میں غلط فیصلہ دوں"۔ ترک نے جواب دیا کہ "حق کے مطابق فیصلہ دیں" کوذرکین نے کہا کہ تم اپنے بیٹے کو حاضر کرو۔ ترک نے بیٹے کو پیش کر دیا۔ کوذرکین نے فیصلہ سنایا: "لڑکے اور سوداگر دونوں کو قتل کر دیا جائے" یہ فیصلہ سن کر ترک جھنجھلا گیا۔ اور بولا "میں اپنے بیٹے کو نہیں چھوڑ سکتا۔ کوذرکین نے کہا کہ پھر سوداگر تاوان ادا کر کے اپنی گلو خلاصی کرا سکتا ہے" چنانچہ سوداگر نے اپنے میزبان کے بیٹے کے ساتھ زیادتی کرنے کی پاداش میں چار سو بھیڑیں بطور تاوان کوذرکین کو ادا کر دیں اور پھر بعجلت تمام ترک علاقے سے نکل گیا۔

ترکوں کے بادشاہوں اور رؤساء میں سے ہم جس سے سب سے پہلے ملے وہ "ینال خورد" (۷۹) تھا جو اپنے علاقے میں ترک بادشاہ خاقان کا نمائندہ تھا۔ وہ پہلے

مسلمان ہو گیا تھا مگر جب اس کی قوم نے اس سے کہا کہ اگر تم مسلمان ہو گئے ہو تو ہم تم کو اپنا سردار نہیں مانیں گے تو وہ اسلام سے پھر گیا اور پھر سے اپنے آبائی مذہب کی طرف لوٹ گیا۔ جب ہم اس جگہ پہنچے جہاں وہ مقیم تھا اور ہماری اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا "میں تم لوگوں کو اپنے علاقے سے گزرنے نہیں دوں گا۔ یہ ایسی بات ہے جو میں نے نہ کبھی دیکھی نہ سنی اور میں سمجھتا ہوں کہ کبھی ایسا نہیں ہوگا کہ تم لوگ میرے علاقے سے گزر کر آگے جاؤ" (۸۰)۔

ہم نے اس کی خاطر مدارات کی۔ اس کی خدمت میں دس درہم مالیت کا ایک عدد جرجانی خفتان، ایک عدد زنانہ لباس جس کو "بائی باف" (۸۱) کہتے ہیں، کچھ روٹیاں، مٹھی بھر کشمش اور ایک سو اخروٹ پیش کئے۔ یہ تحائف پا کر وہ ہمارے سامنے سجدہ ریز ہو گیا (۸۲)۔ یہ ان لوگوں کا دستور ہے کہ جب کوئی کسی کو کسی قسم کا اعزاز بخشتا ہے تو اعزاز پانے والا اعزاز دینے والے کو سجدہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "اگر میرا خیمہ راستے سے بہت دور نہ ہوتا تو میں آپ کی خدمت میں ایک بھیڑ اور گندم کا نذرانہ پیش کرتا"۔

ینال خورد سے رخصت ہو کر ہم اگلی منزل کے لئے روانہ ہوئے۔ دوسرے دن ہمیں ایک انتہائی بدشکل اور بدہیئت ترک ملا جو دیکھنے میں گندہ اور غلیظ، اطوار میں سفلہ اور فطرت کا کمینہ تھا۔ وہ ہم سے مخاطب ہو کر بولا "رک جاؤ، کوئی حرکت نہ کرنا"۔ اس حکم پر سارا کارواں رک گیا جس میں تین ہزار چوپائے اور پانچ ہزار مرد شامل تھے (۸۳)۔ پھر اس نے کہا "یہاں سے آگے کوئی نہیں جائے گا" ہم نے اس کو بتایا کہ ہم کوذرکین کے دوست ہیں"۔

یہ بات سن کر وہ خوب ہنسا اور بولا "کون کوذرکین؟ میں اس کی داڑھی پر پیشاب کرتا ہوں"۔ پھر اس نے کہا "بکند!" خوارزمی زبان میں جس کا مطلب ہے "روٹی"۔ چنانچہ میں نے اس کو چند روٹیاں دے دیں۔ روٹیاں لینے کے بعد اس نے کہا "گزر جاؤ۔ میں نے تم پر رحم کیا"

ابن فضلان نے کہا کہ!

اگر کوئی ترک بیمار ہو جائے اور اس کے پاس غلام اور کنیزیں ہوں تو صرف یہی

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

غلام اور کنیزیں اس کی تیمارداری کرتے ہیں۔ خاندان کا کوئی اور فرد اس کے قریب نہیں جاتا۔ مریض کے لئے بستی سے باہر ایک خیمہ نصب کر دیا جاتا ہے جہاں سے مریض شفایاب ہو کر یا پھر مر کر ہی باہر آتا ہے۔ مریض اگر غریب ہے یا غلام ہے تو لوگ اس کو بیابان میں پھینک آتے ہیں اور پھر کوئی اس کے پاس نہیں جاتا۔ (اس کی خبر نہیں لیتا)۔

جب کوئی ترک مر جاتا ہے تو لوگ اس کے لئے ایک بڑا سا گڑھا کھودتے ہیں اور اس کے اوپر تنبو تان دیتے ہیں' مردے کو کرتا (قرطق) پہناتے ہیں' کمر بند کستے ہیں' اس کے کندھے پر کمان لٹکاتے ہیں' پھر شراب سے بھرا ہوا ایک پیالہ اس کے ہاتھ میں پکڑاتے ہیں اور شراب سے بھرا ہوا ایک ظرفِ چوبی اس کے سامنے رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ سارا ساز و سامان جو اس کی ملکیت ہوتا ہے لا کر گڑھے میں اس کے پاس رکھ دیتے ہیں۔ گڑھے کے اندر مردے کو لٹانے کی بجائے بٹھا دیتے ہیں۔ پھر ایک گنبد نما مکان بنا کر میت کو اس کے اندر رکھ کر بند کر دیتے ہیں۔ اس کام سے فارغ ہو کر لوگ مرنے والے کے سواری کے جانوروں اور مال مویشی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور ان کی تعداد کے لحاظ سے ایک سے سو یا دو سو تک جانور ہلاک کرتے ہیں۔ کبھی کبھی صرف ایک ہی جانور ہلاک کرتے ہیں۔ اور سر' پاؤں' کھال اور دم کے سوا سارا گوشت کھا جاتے ہیں۔ ان چیزوں یعنی سر' پاؤں' کھال اور دم کو لکڑی کے کھمبوں پر لٹکا کر ان کھمبوں کو اس کی قبر کے پاس گاڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ اس کی سواریاں ہیں جن پر سوار ہو کر وہ جنت میں جائے گا"۔

اگر مرنے والے نے اپنی زندگی میں کسی شخص کو قتل کیا ہو اور وہ بہادری اور شجاعت کے لئے مشہور ہو تو اس کے ہاتھوں قتل ہونے والوں کے چوبی مجسمے تراش کر اس کی قبر پر گاڑ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ "یہ وہ غلام ہیں جو جنت میں اس کی خدمت کریں گے۔"

اگر جانور ہلاک کرنے میں ایک دو دن کی تاخیر ہو جائے تو ان کے بزرگوں میں سے کوئی شخص یہ کہہ کر لوگوں میں جوش پیدا کرتا ہے کہ میں نے مرنے والے کو کل رات خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا "تم دیکھ رہے ہو کہ میرے دوست مجھ سے آگے نکل

گئے ہیں۔ ان کے ساتھ پیدل چلتے چلتے میرے پاؤں میں چھالے پڑ گئے ہیں۔ وہ آگے نکل گئے ہیں' میں پیچھے رہ گیا ہوں۔ میں ان کو پکڑ نہیں سکتا۔" یہ باتیں سن کر لوگ اس کے گھوڑوں کے پاس جاتے ہیں اور گھوڑوں کو ہلاک کرتے ہیں۔ اس کے بعد وہی بزرگ چند روز کے بعد لوگوں کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ "میں نے مرنے والے کو گزشتہ رات پھر خواب میں دیکھا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ میرے اہل خانہ اور دوستوں کو خبر کر دو کہ جو دوست مجھ سے آگے نکل گئے تھے اب میں ان کے ساتھ جا ملا ہوں اور تمام آلام سے نجات پا گیا ہوں۔ اب مجھے کوئی غم نہیں ہے"۔

ابن فضلان نے کہا ہے:

تمام ترک مرد مونچھوں کے سوا داڑھی کے تمام بال نوچ ڈالتے ہیں (۸۴)۔ کبھی کبھی کوئی ایسا بوڑھا ترک نظر آ جاتا ہے جس نے داڑھی کے سارے بال نوچ ڈالے ہیں اور صرف تھوڑی کے نیچے کچھ بال چھوڑ رکھے ہیں اور سر پر بھیڑ کی پوستین پہن رکھی ہے۔ ایسے شخص کو اگر دور سے دیکھ جائے تو وہ بالکل بکرا دکھائی دیتا ہے۔

غز ترکوں کا بادشاہ "یبغو" (۸۵) کہلاتا ہے۔ جو بھی حکومت کرتا ہے وہی یبغو ہوتا ہے۔ اس کے نائب کو کوذرکین کہتے ہیں' اور جو شخص بھی بادشاہ یا اپنے سردار کی نیابت کرتا ہے وہی کوذرکین ہوتا ہے۔

ترک علاقے میں سفر کرتے کرتے ہم ترک فوج کے کمندار (صاحب جیشہم) سے ملے۔ جس کا نام "اترک بن قطغان" (۸۶) تھا۔ اس نے ہمارے لئے ترکی طرز کے نمدے سے بنے ہوئے خیمے نصب کرائے اور ہم نے ان خیموں میں قیام کیا۔ معلوم ہوا کہ اس کا خاندان کافی بڑا ہے' خدام بھی بہت ہیں اور اس کے خیموں کی تعداد بھی بہت زیادہ ہے۔ وہ کچھ بھیڑیں اور کچھ گھوڑے لے کر ہمارے پاس آیا تاکہ ہم بھیڑوں کو اسلامی طریقہ سے ذبح کر کے ان کا گوشت کھائیں اور گھوڑوں کو سواری کے لئے استعمال کریں۔ اس نے اپنے خاندان کے بہت سے لوگوں کو جن میں اس کے چچا زاد بھائی بھی شامل تھے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ایک دعوت میں مدعو کیا۔ اور اس دعوت کے لئے بہت سی بھیڑیں ہلاک کیں۔

ہم اس کی خدمت میں پہلے ہی تحائف پیش کر چکے تھے جن میں کچھ ملبوسات تھے' تھوڑی سی کشمش' کچھ اخروٹ اور کچھ اناج شامل تھے۔ اس دعوت میں' میں نے اس کی بیوی کو دیکھا جو پہلے اس کے باپ کی بیوی تھی۔ اس نے گوشت کے چند پارچے اُٹھائے اور کچھ دودھ لیا اور خیمے سے باہر نکل کر بیابان کی سمت چلی گئی۔ وہاں پر اس نے ایک گڑھا کھودا اور گوشت اور دودھ کو اس میں دبا دیا۔ ایسا کرتے ہوئے وہ منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ میں نے ترجمان سے پوچھا "یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟" ترجمان نے بتایا کہ وہ کہہ رہی ہے کہ "عربوں نے جو تحائف دیئے ہیں ان میں سے یہ اترک کے باپ القطغان کا حصہ ہے"۔

رات ہوئی تو میں اور میرا ترجمان اترک کے خیمے میں گئے۔ ہمارے پاس نذیر الحرمی کا ایک خط تھا جو اس نے اترک بن القطغان کے نام ہمیں دیا تھا۔ اس خط میں نذیر الحرمی نے اترک کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تھی اور اصرار کے ساتھ کہا تھا کہ وہ ضرور مسلمان ہو جائے۔ نذیر الحرمی نے پچاس دینار بھی اس کے لئے بھیجے تھے۔ جن میں چند مسیبی دینار تھے۔ اس کے علاوہ تین مثقال مشک' کمائے ہوئے چمڑے کے چند ٹکڑے' مرو کا بنا ہوا کپڑا جس میں سے اس کے لئے دو عدد قرطق (کرتے) بنائے گئے' ایک جوڑ چرمی جوتے' دیبا کا بنا ہوا ایک لباس اور ریشم سے بنے ہوئے پانچ عدد ملبوسات بھی تحائف میں شامل تھے۔ ہم نے یہ تمام تحائف اس کے حوالے کئے۔ نیز اس کی بیوی کی خدمت میں ایک عدد روسری (مقنعہ) (۸۷) (سر کو ڈھانپنے والا رومال یا حجاب) اور ایک عدد انگوٹھی پیش کی۔

میں نے اس کو نذیر الحرمی کا خط پڑھ کر سنایا۔ خط سن کر اس نے ترجمان کے ذریعہ مجھ سے کہا کہ "تمہاری واپسی تک میں اس معاملے میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس کے بعد میں خلیفۃ المسلمین کو خط لکھ کر اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا"

پھر اس نے اپنا پرانا لباس اتار پھینکا اور ہماری طرف سے تحفے میں دی گئی

خلعت زیب تن کی۔ میں نے دیکھا کہ وہ اپنے پرانے ریشمی لباس کے نیچے جو قرطق (کرتا) پہنے ہوئے تھا وہ میلا چیکٹ ہونے کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ سے پھٹا ہوا تھا۔ اصل میں ان کے رواج کے مطابق یہ لوگ اپنے جسم سے لگنے والے کپڑے کو اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک کہ وہ گل کر پارہ پارہ نہ ہو جائے۔

اترک بن القطغان نے اپنی داڑھی اور مونچھ دونوں کو نوچ نوچ کر صاف کر رکھا تھا اور یوں وہ شکل سے بالکل زنخا نظر آتا تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ ترک لوگ اس کو ایک بہترین شہسوار مانتے ہیں اور واقعی ایک دن میں نے دیکھا کہ جب ہم گھوڑوں پر سوار ایک دوسرے کے پہلو بہ پہلو سفر کر رہے تھے تو ایک غاز (۸۸) اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ اترک نے اپنا گھوڑا غاز کے نیچے کیا' ترکش میں سے تیر نکالا' اسے کمان پر چڑھایا اور نشانہ باندھ کر تیر کو غاز کی طرف چھوڑ دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے غاز زمین پر آ رہا۔

ایک دن اس نے ان سرداروں کو جو منصب میں اس سے کمتر درجہ کے تھے اپنے خرگاہ میں طلب کیا۔ ان سرداروں میں "ترخان" "ینال" (اینال) اور اس کے بھائی کا فرزند "ایلغز" شامل تھے۔ ترخان ان میں سب سے زیادہ شریف اور محترم تھا۔ وہ لنگڑا تھا' نابینا تھا اور لولا بھی تھا۔ اترک بن قطغان نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا "یہ عربوں کے بادشاہ کے قاصد ہیں جو میرے داماد المش ابن یلطوار کے نام اپنے بادشاہ کا پیغام لے کر جا رہے ہیں۔ میرے لئے یہ بات مناسب نہیں ہے کہ میں تم سے مشورہ کئے بغیر ان لوگوں کو اپنے علاقے سے گزر کر آگے جانے کی اجازت دوں" (۸۹)۔

ترخان نے کہا کہ یہ ایسی بات ہے جو ہم نے اب سے پہلے نہ کبھی دیکھی اور نہ سنی۔ ہمارے زمانے میں' نہ ہمارے باپ دادا کے زمانے میں خلیفہ کا کوئی ایلچی ہمارے علاقے سے نہیں گزرا۔ میں یہ سوچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ سلطان ہم سے کوئی چال چل رہا ہے۔ وہ ہمارے خلاف خزروں (۹۰) کی فوج بنانا چاہتا ہے اور اسی مقصد کے لئے وہ ان لوگوں کو وہاں بھیج رہا ہے۔ بہتر تو یہی ہے کہ ہم ان لوگوں کا یہیں قلع قمع کر دیں اور ان کا مال

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

واسباب ضبط کرلیں"۔

ایک دوسرا بولا "نہیں' بلکہ ان کے پاس جو کچھ ہے وہ ہمیں ان سے چھین لینا چاہئے اور جہاں سے یہ لوگ آئے ہیں ان کو وہیں واپس بھگا دینا چاہئے"۔

ایک اور بولا "ہمیں ان لوگوں کو گرفتار کرلینا چاہئے اور ان کے عوض اپنے ان قیدیوں کو رہا کرا لینا چاہئے جو اس وقت خزر بادشاہ کی قید میں ہیں"(۹۱)۔

وہ لوگ اس مسئلے پر سات دن تک بحث کرتے رہے اور ادھر ہم موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ بارے انہوں نے متفقہ طور پر فیصلہ کرکے ہمیں آگے جانے کی اجازت دے دی۔ اس فیصلے پر ہم نے ترخان کو کچھ تحفے دیئے جن میں مرو کا بنا ہوا خفتان اور دو عدد "پائے باف" شامل تھے۔ اس کے علاوہ ترخان کے دوسرے ساتھیوں اور ینال کو بھی ایک ایک قرطق پیش کیا۔ مزید برآں ان لوگوں کو تھوڑی سی کالی مرچ' کچھ اناج اور چند روٹیاں بھی دیں۔ پھر وہ ہم سے رخصت ہوگئے اور ہم اپنی اگلی منزل کو چل پڑے۔

یہاں سے چل کر ہم بغندی (۹۲) نامی دریا کے کنارے پہنچے۔ یہاں پر ہم نے وہ چرمی کشتیاں نکالیں جو جرجانیہ سے روانہ ہوتے وقت خریدی تھیں۔ ان کشتیوں میں ہوا بھری' ان کو پھلایا اور ترکی نسل کے اونٹوں پر سے سامان اتار کر ان کشتیوں میں رکھا۔ ہر کشتی پر سامان کے ساتھ چار چار' پانچ پانچ یا چھ چھ لوگ سوار ہوئے۔ ہر ایک سوار نے اپنے ہاتھ میں صنوبر کی شاخ پکڑی تاکہ اس کو چپو کے طور پر استعمال کیا جاسکے۔ پھر کشتیوں میں سوار لوگ اپنی اپنی کشتی کھینے لگے اور کشتیاں پانی کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے لگیں۔ کبھی کبھی کوئی کشتی چکر بھی کھاتی رہی مگر آہستہ آہستہ سب دوسرے کنارے کی طرف بڑھتی گئیں اور چوار کی مدد سے کنارے پر جالگیں۔ گھوڑوں اور دوسرے چوپایوں نے دریا کو تیر کر پار کیا۔

یہاں دریا عبور کرتے وقت یہ ضروری تھا کہ سامان سے پہلے کچھ مسلح جنگجو اور بہادر لوگ آلات حرب کے ساتھ دریا کو پار کرکے دوسرے کنارے پر پہنچیں تاکہ وہ مال مویشی کو باشکرد (۹۳) لوگوں کے جو دریا کے دوسرے کنارے پر آباد تھے حملے سے محفوظ رکھ سکیں۔ اور بعد میں آنے والے مال واسباب کی حفاظت کرسکیں۔ چنانچہ ہم نے دریائے بغندی کو اسی طرح سے عبور کیا۔ پہلے کچھ مسلح افراد کو دوسرے کنارے پر بھیجا اور اس کے بعد مال واسباب اور غیر مسلح لوگوں نے دریا کو عبور کیا۔

بغندی کے بعد ہم نے ایک اور دریا کو اسی طرح پار کیا۔ اس دریا کا نام "جام" ہے، پھر ہم نے دریائے "جاخش" اور اس کے بعد دریائے "اذل" پھر دریائے "اردن"، "ارش"، "اختی" اور "وتبا" کو کشتیوں کے ذریعے پار کیا۔(۹۴) یہ تمام دریا بڑے دریا ہیں۔ ان دریاؤں کو عبور کرکے ہم بچناگ میں داخل ہوئے جو بچناگ نامی قبیلے کا مسکن ہے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

پچناگ

پچناگ (۹۵) قبیلہ ایک جھیل کے کنارے خیمہ زن تھا۔ پچناگ لوگ گہری بھوری رنگت کے ہوتے ہیں۔ ان کے مرد داڑھی مونڈتے ہیں۔ یہ لوگ غز لوگوں کے مقابلے مفلس دکھائی دیتے ہیں۔ غز قبیلے میں تو میں نے ایسے لوگ بھی دیکھے جو دس دس ہزار اور ایک ایک لاکھ بھیڑوں کے مالک ہیں جو یخ بستہ میدانوں میں چرتی پھرتی ہیں اور اپنے کھروں سے برف کو کرید کرید کر اس کے نیچے دبی ہوئی گھاس کھاتی ہیں۔ اگر گھاس میسر نہیں آتی تو وہ برف پر ہی گزارہ کر لیتی ہیں اور جس سے وہ خوب فربہ ہو جاتی ہیں۔ پھر جب گرمی کا موسم آتا ہے اور برف پگھلنے لگتی ہے تو وہ پھر سے گھاس چرنا شروع کر دیتی ہیں اور ان کا موٹاپا کم ہونے لگتا ہے اور وہ پھر سے دبلی ہو جاتی ہیں۔

ان لوگوں کے ساتھ ہم نے صرف ایک دن قیام کیا۔

پچناگ سے روانہ ہو کر ہم نے دریائے "جیخ" (۹۶) کے کنارے قیام کیا۔ ہم نے اب تک جتنے دریا دیکھے تھے یہ دریا ان میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ چوڑا ہے۔ اس میں پانی کا بہاؤ بہت تیز ہے اور میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ ہماری

ایک کشتی اُلٹ گئی اور اس میں سوار تمام لوگ دریا میں گر گئے۔ ان میں سے کچھ بچ گئے' کچھ غرق ہو گئے اور بہت سے گھوڑے اور دیگر چوپائے بھی پانی میں بہہ گئے۔ ہم نے بڑی مشکل سے اس کو پار کیا۔

پھر ہم کئی روز تک سفر کرتے رہے اور "جاخا" (۹۷) نامی دریا کو عبور کیا۔ اس کے بعد دریائے "ارخز" (۹۸) کو پار کیا' "ارخز" کے بعد "باجاغ" (۹۹)، "سمور" (۱۰۰)، "کنال" (۱۰۱)، "سوخ" (۱۰۲) اور "کنجلو" (۱۰۳) کو عبور کیا۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

باشکرد

دریائے ''کنجلو'' کو پار کر کے ہم ترکوں کے ایک اور قبیلے میں وارد ہوئے جو ''باشکرد''(۱۰۴) کہلاتا ہے۔ ان لوگوں کے بارے میں ہم بہت محتاط تھے کیونکہ ترکوں میں سب سے زیادہ شریر اور سب سے زیادہ گندے یہی لوگ ہیں۔ اور آدم کشی میں بڑے بدنام ہیں۔ (ان کی سفاکی کا یہ عالم ہے کہ) وہ کسی اجنبی کو دیکھتے ہی اس کا سر قلم کر دیتے ہیں' مقتول کا سر اُٹھا کر لے جاتے ہیں جبکہ دھڑ کو وہیں چھوڑ جاتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی داڑھی مونڈتے ہیں۔ اور جوئیں کھاتے ہیں' اپنی قرطق کے بخیہ میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر جوئیں نکالتے ہیں اور انہیں دانتوں سے چبا ڈالتے ہیں۔

ایک باشکرد جو مسلمان ہو گیا تھا ہمارے ہمراہ تھا اور ہمارا خدمت گذار تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس نے اپنے قرطق میں سے ایک جوں پکڑی اور اس کو اپنے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کے درمیان رکھ کر کچلا اور پھر اس کو کھا گیا۔ جب اس کی نظر مجھ پر پڑی تو مسکرا کر بولا ''مزیدار ہے''۔

ہر باشکرد مرد لکڑی کا بنا ہوا عضو تناسل اپنے گلے میں ڈالے رکھتا ہے(۱۰۵)۔

اگر اسے کبھی سفر پر جانا ہو یا کسی دشمن سے لڑنا ہو تو اس کو بوسہ دیتا ہے اور اس کے سامنے سجدہ ریز ہو کر کہتا ہے ''اے میرے رب میرا فلاں فلاں کام کر دے''۔

میں نے ترجمان سے کہا ''ذرا ان میں سے کسی سے پوچھو کہ اس میں کیا منطق ہے اور وہ اس کو اپنا رب کیوں مانتے ہیں جب کہ یہ آلہ اس نے خود تراشا ہے''۔ اس نے جواب دیا ''میں بھی انہی لوگوں کی طرح سوچتا اور سمجھتا ہوں۔ مجھے نہیں معلوم کہ اس کے سوا میرا کوئی اور بھی خالق ہے''۔

کچھ باشکرد بارہ خداؤں کو مانتے ہیں جن کے نام اس طرح سے ہیں۔ (۱) خدائے زمستان (۲) خدائے تابستان (۳) خدائے باراں (۴) خدائے باد (۵) خدائے درختاں (۶) خدائے مردمان (۷) خدائے چہار پایان (۸) خدائے آب (۹) خدائے شب (۱۰) خدائے روز (۱۱) خدائے مرگ اور (۱۲) خدائے زمین۔ وہ خدا جو آسمانوں پر رہتا ہے وہ سب سے بڑا خدا ہے اور اس آسمانی خدا کا ان بارہ خداؤں کے ساتھ مکمل اتفاق ہے اور ان بارہ خداؤں کے عمل میں آسمانی خدا کی رضا شامل ہوتی ہے اور ہر خدا اپنے ساتھی خدا کے عمل کی تائید و حمایت کرتا ہے۔

ہم نے یہ بھی دیکھا کہ کچھ باشکرد سانپ کی پوجا کرتے ہیں، کچھ مچھلی کی اور بعض لوگ سارس (۱۰۶) کو پوجتے ہیں۔ مجھے بتایا گیا کہ ایک دفعہ باشکردوں کی ایک جماعت کسی دشمن سے لڑ رہی تھی۔ اس لڑائی میں انہیں شکست ہو گئی اور وہ پسپا ہونے لگے۔ عین اس وقت دشمنوں کی پشت پر سارسوں کی ایک ڈار نمودار ہوئی اور انہوں نے اتنے زور زور سے آوازیں نکالیں کہ دشمن سراسیمہ ہو کر بھاگ کھڑا ہوا اور باشکردوں کی ہار جیت میں بدل گئی۔ اس وجہ سے یہ لوگ کراکی (سارس) کی پوجا کرنے لگے۔ ان کا کہنا ہے کہ سارس (کراکی) نے ہمارے دشمن کو شکست دی۔ اسی لئے وہ ہمارا رب ہے اور اسی لئے ہم اس کی پرستش کرتے ہیں۔

باشکردوں کی سرزمین سے روانہ ہو کر ہم نے دریائے ''جرمشان''(۱۰۷) کو پار

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کیا۔ اس کے بعد ہم نے دریائے "اوزان" (۱۰۸)، دریائے "اورم" (۱۰۹)، دریائے "بایناخ" (۱۱۰)، دریائے "وتیغ" (۱۱۱) اور پھر دریائے "نیاسنہ" (۱۱۲) اور آخر میں دریائے "جاوشیر" (۱۱۳) کو عبور کیا۔ ان دریاؤں کے درمیان کہیں دو، کہیں تین اور کہیں چار چار دن کی مسافت تھی یا کہیں کم یا کہیں زیادہ۔

صقالبہ

جب ہم شاہ صقالبہ سے جس سے ملاقات کے لئے ہم آئے تھے ایک دن اور ایک رات کی مسافت کے فاصلے پر تھے تو اس نے (بادشاہ نے) اپنے چار سرداروں کو جن میں اس کے بھائی اور بیٹے شامل تھے ہمارے استقبال کے لئے روانہ کیا۔ وہ ہمارے لئے نان (روٹی) گوشت اور غلہ لے کر آئے۔ پھر ہمیں اپنے ساتھ لے کر بادشاہ کے محل کی جانب روانہ ہوئے۔ جب ہم محل سے کوئی دو فرسخ کے فاصلہ پر تھے تو بادشاہ خود چل کر ہمارے استقبال کے لئے آیا۔ ہمیں دیکھتے ہی سواری سے نیچے اترا اور زمین پر سجدہ ریز ہو گیا اور اللہ عزوجل کا شکر ادا کیا۔ وہ اپنے ساتھ نقد رقم لایا تھا جو اس نے ہم پر نچھاور کی۔ اس نے ہمارے ٹھہرنے کے لئے خیمے نصب کرائے اور ہم ان خیموں میں مقیم ہو گئے۔

اس طرح ہم ۳۱۰ھ کے ماہ محرم الحرام کی ۱۲ تاریخ کو اتوار کے دن (۱۱۴) اپنی منزل پر پہنچے۔ جرجانیہ سے اس شہر تک کا فاصلہ ستر (۷۰) دن کا تھا (۱۱۵)۔ آمد کے بعد اتوار، پیر، منگل اور بدھ کے دن ہم نے ان خیموں کے اندر ہی آرام کیا جو ہمارے لئے لگائے گئے تھے۔ جمعرات کے دن بادشاہ نے اپنے سرداروں فوجی افسروں اور

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

عمائدین (۱۱۶) کو طلب کیا تا کہ سب لوگ خلیفہ کی طرف سے آنے والے خط کا مضمون سن لیں۔ چنانچہ ہم اپنے خیموں سے باہر نکلے' اپنے وہ دو پرچم جو ہم اپنے ہمراہ لائے تھے فضا میں لہرائے' بادشاہ کو سیاہ رنگ کا لباس (۱۱۷) پہنایا اور اس کے سر پر عمامہ باندھا۔ پھر میں نے خلیفہ کا خط نکالا اور بادشاہ کو مخاطب کر کے کہا ''جب خلیفہ کا خط پڑھا جاتا ہے تو کسی کو بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں ہوتی''۔ اس پر بادشاہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اس کے ساتھ ہی تمام حاضرین بھی جن میں عمائدین سلطنت بھی شامل تھے کھڑے ہو گئے۔ بادشاہ فربہ اندام تھا اور اس کا پیٹ بہت موٹا تھا۔

میں نے خلیفہ کا خط پڑھنا شروع کیا اور جب اس جملے پر پہنچا کہ "سلام علیک فانی أحمد إلیک اللہ الذی لا الہ الا ہو"۔ ''تم پر اللہ کی سلامتی ہو' احمد اللہ کہ میں تم سے مخاطب ہوں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔'' تو میں نے بادشاہ سے کہا کہ وہ امیر المومنین کے سلام کا جواب دے۔ تو اس نے وعلیکم السلام کہا اور اس کے ساتھ ہی تمام حاضرین نے بھی سلام کا جواب دیا۔ مترجم نے خلیفہ کے خط کا حرف بہ حرف ترجمہ کیا اور بلند آواز میں حاضرین کو سنایا۔ جب خط پڑھا جا چکا تو لوگوں نے ایسے پر جوش طریقے سے نعرہ تکبیر بلند کیا کہ زمین لرز گئی۔ (ارتجت لہ الارض)۔

اس کے بعد میں نے خلیفہ کے وزیر حامد ابن العباس (۱۱۸) کا خط پڑھ کر سنایا۔ اس دوران بادشاہ اور اس کے عمائدین بدستور کھڑے رہے۔ خط پڑھنے کے بعد میں نے انہیں بیٹھ جانے کو کہا تو وہ سب بیٹھ گئے۔ اس کے بعد میں نے نذیر الحرمی کا فرستادہ خط پڑھا۔ جب اس خط کی خواندگی ختم ہوئی تو بادشاہ کے عمائدین نے ہم پر بڑی تعداد میں درہم نچھاور کیے۔

اس کے بعد میں نے تحائف نکالے جو ہم بادشاہ اور اس کی بیوی کے لئے لائے تھے جن میں عطر' ملبوسات اور مروارید شامل تھے۔ میں نے بادشاہ اور اس کی بیوی کو ایک ایک کر کے تمام تحائف دکھائے۔ تحائف کی نمائش ختم ہوئی تو میں نے بادشاہ کی بیوی کو جو

اس کے پہلو میں بیٹھی ہوئی تھی سب لوگوں کی موجودگی میں خلعت پہنائی۔ ان کے رواج کے مطابق بیوی تخت پر بادشاہ کے برابر بیٹھتی ہے (۱۱۹)۔ جب میں اسے خلعت پہنا چکا تو وہاں پر موجود عورتوں نے اس پر پیسوں (درہموں) کی بارش کر دی (۱۲۰)۔ اس کے بعد ہم وہاں سے رخصت ہو کر اپنے خیموں میں چلے آئے۔

بمشکل ایک گھنٹہ گزرا تھا کہ بادشاہ نے ہمیں بلا بھیجا۔ ہم اس کی خرگاہ میں پہنچے۔ وہاں پر ہم نے دیکھا کہ وہ ایک تخت (سریر) پر فروکش ہے جو دیبائے رومی (۱۲۱) سے آراستہ تھا۔ اس کے دائیں جانب اس کے تمام سردار بیٹھے تھے اور اس کے مقابل اس کی اولاد بیٹھی تھی۔ اس نے ہمیں اپنے بائیں جانب بیٹھنے کا اشارہ کیا اور ہم وہاں پر جا کر بیٹھ گئے۔ اس نے کھانا لانے کا حکم دیا۔ کھانا لایا گیا جو صرف گوشت (۲۲) پر مشتمل تھا۔ کھانے کی ابتدا خود اس نے کی۔ اس نے ایک چھری اٹھائی' گوشت کی ایک بوٹی کاٹی اور خود کھانے لگا۔ اس کے بعد اس نے ایک اور بوٹی کاٹی اور کھائی' اس کے بعد ایک اور نوالہ لیا۔ اس کے بعد اس نے گوشت کا ایک بڑا سا ٹکڑا کاٹا اور اسے سفیر سوسن کی طرف بڑھا دیا۔ جب سفیر سوسن گوشت کا ٹکڑا وصول کر رہا تھا تو اس کے آگے چھوٹی سی میز لا کر رکھ دی گئی۔ یہاں کا رواج ہے کہ جب تک بادشاہ لقمہ عطا نہ کرے کوئی شخص کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھاتا اور جوں ہی بادشاہ کسی کی طرف لقمہ بڑھاتا ہے تو فوراً ہی ایک میز اس کے سامنے لا کر رکھ دی جاتی ہے۔

پھر بادشاہ نے ایک قتلہ گوشت میری طرف بڑھایا۔ اس کے بعد اس نے ایک تکہ گوشت اپنے دائیں جانب بیٹھے ہوئے ایک سردار کو دیا۔ چنانچہ فوراً ہی ایک میز اس کے سامنے لا کر رکھ دی گئی۔ پھر اس نے ایک قتلہ ایک دوسرے سردار کو عطا کیا اور فوراً ہی اس کے لئے بھی ایک میز آ گئی۔ اس کے بعد اس گوشت کی بوٹیاں اپنے بیٹوں کو دیں اور ان کے سامنے بھی چھوٹی چھوٹی میزیں لا کر رکھ دی گئیں۔

ہر شخص نے صرف وہی کھایا جو بادشاہ نے اس کو دیا اور یا جو اس کی میز پر رکھا گیا۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کسی نے دوسروں کی میز پر سے کچھ نہیں اُٹھایا بلکہ جب کھانا ختم ہوا تو جس کی میز پر جو کچھ بچا تھا وہ اس کو اٹھا کر اپنے گھر لے گیا۔

کھانا ختم ہونے کے بعد بادشاہ نے شراب العسل (۱۲۳) لانے کا حکم دیا۔ جو شہد سے بنائی جاتی ہے اور جس کو "سجو" کہتے ہیں اور جس کو تیار کرنے میں ایک دن اور ایک رات کا وقت درکار ہوتا ہے۔ یہاں کے لوگ دن رات یہی مشروب پیتے رہتے ہیں۔

بادشاہ نے اس مشروب کا ایک پیالہ نوش جاں کیا۔ پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور بولا "اللہ میرے آقا امیر المومنین کی عمر دراز کرے، آج میں بہت خوش ہوں"۔ جوں ہی وہ کھڑا ہوا چاروں سردار (الملوک الاربعہ) اور اس کے بیٹے بھی کھڑے ہوگئے۔ چنانچہ ہم بھی کھڑے ہوگئے۔ اس نے یہی بات تین دفعہ دہرائی اور تین ہی دفعہ حاضرین نے بھی اس کو دہرایا۔ اس کے ساتھ ہی مجلس برخاست ہوگئی اور ہم اس سے رخصت ہو کر پھر اپنے خیموں میں آ گئے۔

میری آمد سے پہلے یہاں منبر سے جو خطبہ پڑھا جاتا تھا وہ اس طرح سے تھا: اللھم اصلح الملک بلطوار ملک بلغار۔ (اے اللہ بلغاروں کے بادشاہ بلطوار کو نیک و صالح بنا)۔ میں نے بادشاہ سے کہا "بے شک اللہ خود بادشاہ ہے اور اس کے سوا کوئی عظمت والا (جل) اور عزت والا (عز) نہیں۔ اس منبر سے اللہ کے سوا کسی اور کا نام نہیں پکارا جانا چاہیے۔ اپنے آقا امیر المومنین کو دیکھو۔ وہ اس بات سے راضی ہے کہ مشرق و مغرب کے منابر سے اس کے لئے یہ کہا جائے "اللھم اصلح عبدک وخلیفتک جعفر الامام المقتدر باللہ امیر المومنین۔" (اے اللہ اپنے بندے اور اپنے خلیفہ امام جعفر المقتدر باللہ امیر المومنین کو صالح بنا)۔ یہی بات اس کے باپ دادا کی تھی جو اس سے پہلے خلیفہ تھے۔ پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے" لا تطرونی کما اطرت النصاری عیسی ابن مریم فانما انا عبد اللہ ورسولہ (میری اتنی ستائش نہ کرو جتنی کہ عیسائی حضرت عیسیٰ بن مریم کی کرتے ہیں بلکہ میں تو اللہ کا بندہ ہوں اور اس

کا بھیجا ہوا رسول اس لئے مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا پیغمبر کہو)۔

بادشاہ نے مجھ سے پوچھا "تو پھر میرے نام کا خطبہ کس طرح پڑھا جائے" میں نے جواب دیا "اپنے نام اور اپنے باپ کے نام کا" اس پر اس نے کہا "لیکن میرا باپ تو کافر تھا"۔ میں اس بات کو پسندیدہ نہیں سمجھتا کہ منبر سے اس کا نام لیا جائے اور نہ میں یہ چاہتا ہوں کہ خطبہ میں میرا نام لیا جائے کیونکہ میرا نام ایک کافر نے رکھا تھا۔ یہ بتاؤ کہ میرے مولا امیر المومنین کا نام کیا ہے۔

"جعفر" میں نے بتایا۔

"کیا یہ ممکن ہے" وہ بولا "میں بھی جعفر کے نام سے پکارا جاؤں اور میرا باپ عبداللہ کہلائے"۔

"ہاں" میں نے جواب دیا۔

"تو پھر میں نے فیصلہ کرلیا ہے کہ میرا نام جعفر بن عبداللہ ہے" وہ بولا "مہربانی کر کے خطیب کو اس امر کی ہدایت کردو کہ خطبے میں میرا یہی نام لیا جائے"۔

اس کے بعد خطبہ اس طرح سے پڑھا جانے لگا۔ "اللھم واصلح عبدک جعفر بن عبداللہ امیر بلغار مولیٰ امیر المومنین" (خدایا اپنے بندے جعفر بن عبداللہ مولیٰ امیر المومنین کو نیک راہ پر چلا) (۱۲۴)۔

خط پڑھے جانے اور تحائف کی تقسیم کے تین دن کے بعد اس نے مجھے پھر بلا بھیجا کیونکہ اس اثناء میں اس کو ان چار ہزار دینار کا خیال آیا جو خلیفہ نے اس کے لئے بھیجے تھے اور جس کا خلیفہ نے اپنے خط میں ذکر کیا تھا۔ لیکن ہم یہ رقم اس حیلہ جو نصرانی کی چال بازی کے سبب اپنے ساتھ لا نہیں سکے تھے (۱۲۵)۔

جب میں اس کے حضور میں حاضر ہوا تو اس نے مجھے بیٹھنے کا اشارہ کیا اور میں بیٹھ گیا۔ جب میں بیٹھ گیا۔ تو اس نے امیر المومنین کا خط میری طرف کو اچھال دیا اور کہا "یہ خط

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کون لے کر آیا؟" میں نے جواب دیا "میں لایا" پھر اس نے وزیر کا خط میری طرف پھینکا اور پوچھا "یہ بھی تم لائے"۔ میں نے کہا "ہاں، یہ بھی میں ہی لایا"۔ اس پر وہ بولا "تو پھر وہ رقم کہاں ہے جس کا ان دونوں خطوں میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیا کیا تم نے اس رقم کا؟"۔

میں نے جواب دیا "روانگی کا وقت تنگ تھا۔ میں (خزانے سے) رقم وصول نہ کر سکا۔ اندیشہ تھا کہ اگر رقم وصول کرنے میں زیادہ وقت لگ گیا تو کہیں ہمیں ترک علاقے میں داخل ہونے میں دیر نہ ہو جائے (چنانچہ) یہ رقم ہم وہیں چھوڑ آئے تاکہ ہمارے بعد آنے والے اسے ساتھ لے آئیں"۔

اس نے کہا "تم آئے، تمہارے ساتھ بہت سے لوگ آئے اور میرے آقا نے تم پر اتنا سارا خرچ صرف اس لئے کیا کہ تم اس کی عطا کردہ رقم مجھ تک پہنچاؤ تاکہ میں اس رقم سے قلعہ تعمیر کروں جو مجھے ان یہودیوں کی جارحیت سے محفوظ رکھے گا جنھوں نے مجھے غلام بنا رکھا ہے (۱۲۶)۔ رہا تحائف کا معاملہ تو یہ تو میرے غلام بھی لا سکتے تھے"۔

اس کے جواب میں میں نے کہا "بالکل ایسا ہی ہے جیسا کہ آپ کہہ رہے ہیں۔ مگر ہم نے اپنی سی کوشش کی"۔

اس نے ترجمان سے کہا "میں دوسرے لوگوں کو نہیں جانتا۔ میں صرف تم کو جانتا ہوں کیونکہ دوسرے لوگ تو غیر عرب ہیں (۱۲۷)۔ میرے مولا امیرالمومنین ایدہ اللہ (۱۲۸) اگر یہ سمجھتے کہ دوسرے لوگ جو غیر عرب ہیں وہ سب کچھ کرنے کے قابل ہیں جو تم کر سکتے ہو تو میری حفاظت کے لئے اور یہ خط پڑھ کر سنانے اور میرا جواب سننے کے لئے وہ تم کو نہ بھیجتے۔ تمہارے سوا میں کسی اور سے ایک درہم کا بھی تقاضا نہیں کروں گا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم وہ رقم دیدو"۔

یہ سنکر میں دہشت زدہ اور غمگین ہو کر اپنی قیام گاہ پر چلا آیا۔

بادشاہ بلطوار خوش شکل اور بارعب شخصیت چوڑے شانے اور گٹھے ہوئے جسم کا مالک تھا مگر جب وہ بولتا تھا تو یوں لگتا تھا جیسے کوئی پھٹا ہوا ڈھول بج رہا ہو۔

اپنے خیمے میں پہنچ کر میں نے ہمراہیوں اور دوستوں کو جمع کیا اور بادشاہ کے ساتھ جو گفتگو ہوئی تھی اس سے ان سب کو آگاہ کیا۔ میں نے اُن سے کہا "مجھ کو اسی بات کا ڈر تھا"۔

بادشاہ کا موذن اذان میں دو بار اقامہ کہتا تھا۔ میں نے اس سے کہا کہ تمہارے آقا امیر مومنین کے یہاں تو اقامہ صرف ایک بار کہا جاتا ہے۔ اس پر اس نے موذن سے کہا کہ "جو یہ کہہ رہا ہے اسے مان لو اور اس کی تردید مت کرو"۔ لہذا کئی روز تک اذان میں اقامہ صرف ایک بار کہا جاتا رہا اور وہ مجھ سے رقم کی ادائیگی کا تقاضا کرتا رہا اور میں اس کو سمجھاتا رہا۔ پھر وہ مایوس ہونے لگا اور جب پوری طرح سے مایوس ہو گیا تو اس نے موذن کو حکم دیا کہ اذان میں پھر سے ایک کی جگہ دو بار اقامہ کہا جائے۔ چنانچہ موذن نے پھر سے دو بار اقامہ کہنا شروع کر دیا۔ اس نے یہ حکم مجھے پریشان کرنے کی غرض سے دیا۔ چنانچہ جب میں نے موذن کو پھر سے دو بار اقامہ کہتے سنا تو میں نے اسے ایسا کرنے سے منع کیا اور اس پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا۔ جب بادشاہ کو میری خفگی کا علم ہوا تو اس نے مجھے اور میرے ہمراہیوں کو اپنے پاس بلا بھیجا۔

جب ہم اس کی خدمت میں پہنچے تو اس نے ترجمان سے کہا "اس سے یعنی مجھ سے پوچھو کہ اس کا ان دو موذنوں کے بارے میں کیا خیال ہے جن میں سے ایک تو اذان میں ایک بار اقامہ کہتا ہے اور دوسرا دو بار کہتا ہے، اور پھر نماز کی امامت کرتا ہے تو کیا یہی نماز جائز ہوگی کہ ناجائز ہوگی۔

میں نے اس کا جواب یہ دیا "نماز جائز ہوگی"۔

وہ بولا جائز ہوگی بلحاظ فقہی اختلاف یا بہ لحاظ اجماع"

"بہ لحاظ اجماع" میرا جواب تھا۔

اس نے ترجمان سے کہا "اس سے یعنی مجھ سے یہ بھی پوچھو کہ ایسے شخص کے بارے میں اس کی کیا رائے ہے جو نادار بے کس اور محصور لوگوں اور قیدیوں کو (بطور امداد)

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

دی جانے والی رقم میں خیانت کا مرتکب ہو"۔

"ایسا (خیانت) کرنا درست نہیں ہے" میں نے کہا "ایسے لوگ بُرے ہوتے ہیں"

"اختلاف فقہ کی وجہ سے یا اجماع کے سبب" اس نے دریافت کیا

"اجماع کے لحاظ سے" میں نے جواب دیا۔

اس پر اس نے ترجمان سے کہا کہ اس سے پوچھو کہ امیر المومنین اطال اللہ بقاءہ (خدا اُن کی عمر دراز کرے) اگر میرے خلاف فوج کشی کرتے ہیں تو کیا وہ مجھ پر حاوی ہو جائیں گے؟۔

میں نے جواب دیا "نہیں"

اس نے پوچھا "اور امیر خراساں"۔

میں نے جواب دیا "نہیں"۔

اس نے کہا "کیونکہ امیر المومنین اور میرے ملک کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے نیز ہمارے اور اُن کے درمیان کافروں کے بے شمار قبائل موجود ہیں؟"۔

"ہاں اسی وجہ سے"

اس نے ترجمان سے کہا "اس سے کہو کہ میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جیسا کہ تم دیکھ رہے ہو میرا مسکن، امیر المومنین سے بہت زیادہ دور واقع ہے مگر اس دوری کے باوجود میں اپنے مولا امیر المومنین سے ڈرتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ مجھے اس بات کا خوف رہتا ہے کہ کہیں وہ میرے بارے کوئی ایسی باتیں نہ سن لیں جو انہیں پسند نہیں اور جس کی وجہ سے (ناراض ہو کر) وہ اللہ سے میرے حق میں کوئی بددعا کر دیں اور میں اپنے ہی گھر میں ہلاک ہو جاؤں۔ لہٰذا اتنے طویل فاصلے کے باوجود میں امیر المومنین سے ڈرتا ہوں۔ لیکن یک تم ہو کہ اس کا دیا ہوا کھاتے ہو اس کے دیے ہوئے کپڑے پہنتے ہو اور اس

کے قریب رہتے ہو مگر تم نے اس کو دھوکا دیا ہے۔ اس نے جس کام کے لیے تم کو ہم کمزور لوگوں کے پاس بھیجا تھا تم نے اس کام کے کرنے میں خیانت کی' تم نے مسلمانوں کے ساتھ بے وفائی کی ہے میں مذہبی معاملات میں تمہاری رہنمائی اس وقت تک قبول نہیں کروں گا جب تک کوئی ایسا آدمی نہیں آجاتا جو اپنے عمل سے ثابت کرے کہ اس کو ہماری بھلائی مطلوب ہے۔ جب کوئی ایسا آدمی میرے پاس آئے گا تو میں ضرور اس کی بات مانوں گا"۔ اس تقریر نے ہمیں لاجواب کر دیا۔ چنانچہ ہم وہاں سے واپس آ گئے۔

اس کے بعد اس نے میرے ساتھیوں سے سرد مہری کا برتاؤ شروع کر دیا اور ان سے دوری اختیار کرنے لگا۔ اس کے برعکس وہ میرا پہلے سے بھی زیادہ احترام کرنے لگا اور مجھے اپنے قریب کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ پھر وہ مجھے "ابوبکر الصدیق" (۱۲۹) کہنے لگا۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

عجائبات صقالبہ

میں نے اس ملک میں اتنی زیادہ انوکھی باتیں (عجائبات) دیکھیں کہ ان سب کا بیان کرنا ممکن نہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ ہمارے یہاں پہنچنے کے بعد جب رات آئی تو غروب آفتاب سے کوئی گھنٹہ بھر پہلے افق انتہائی گہرا سرخ ہو گیا۔ آسمان سے زور زور کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں اور بہت ہی شور و غل بپا ہوا اور فضا شہد کی مکھیوں جیسی بھنبھناہٹ سے معمور ہو گئی۔ میں نے جب آسمان کی جانب سر اٹھا کر دیکھا تو ایک سُرخ بادل کو آتشیں گولے کی طرح سے اپنی جانب لپکتا ہوا محسوس کیا۔ یہ شور و غل اور کرخت آوازیں اسی بادل سے آ رہی تھیں۔ ایسا لگتا تھا جیسے اس بادل کے اندر انسانوں اور گھوڑوں سے ملتی جلتی کوئی چیز چھپی ہوئی ہے اور یہ انسان سے مشابہ بھُوت پریت اپنے ہاتھوں میں تلوار اور بھالے ہوئے ہیں۔ اسی دوران میں ایک اور بادل نمودار ہوا جو پہلے والے بادل جیسا ہی تھا۔ مجھے اس میں بھی انسان، جانور اور ہتھیار نظر آئے۔ پھر یہ دونوں بادل آپس میں گتھم گتھا ہو گئے جیسے میدانِ جنگ میں دو مخالف فوجیں ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتی ہیں۔ ہم سب اس حیرت انگیز مظاہر قدرت کا مشاہدہ کر کے دہشت زدہ رہ گئے اور گریہ وزاری کرنے اور

دعائیں مانگنے لگے۔ یہاں کے لوگوں نے ہماری اس حالت کا مذاق اڑایا اور ہماری حرکت پر حیرت ظاہر کی۔

ہم ان بادلوں کو باہم دست و گریباں ہوتے دیکھتے رہے، کبھی وہ آپس میں بھڑ جاتے اور کبھی ایک دوسرے سے الگ ہو جاتے۔ یہ تماشا رات گئے تک جاری رہا پھر دونوں بادل غائب ہو گئے۔

ہم نے جب بادشاہ سے اس بارے میں بات کی تو اس نے دعویٰ کیا کہ ان کے باپ دادا کہا کرتے تھے کہ یہ مومن جن اور کافر جن ہیں جو ہر روز شام کے وقت ایک دوسرے سے برسرِ پیکار ہوتے ہیں اور وہ جب سے وجود میں آئے ہیں کوئی رات ایسی نہیں گزری کہ ان دونوں کے درمیان لڑائی نہ ہوئی ہو۔

ابن فضلان نے کہا کہ

"ایک دن ایک درزی جو بغداد کا رہنے والا تھا اور کسی وجہ سے اس شہر میں آ گیا تھا اور اب بادشاہ کے ملازمین میں شامل تھا ملنے کی غرض سے میرے خیمے میں آیا۔ ہمیں باتیں کرتے ہوئے بمشکل اتنی دیر ہوئی ہو گی جتنی دیر میں آدمی کو سورۃ فاتحہ اور آخری سپارے کی سات سورتوں کی تلاوت میں لگتی ہے کہ ناگاہ اذان کی آواز بلند ہوئی۔ ہم نماز کے لئے خیمے سے باہر نکلے۔ دیکھا تو سحر ہو چکی ہے جب کہ ہم عشاء کی اذان کا انتظار کر رہے تھے۔ مؤذن سے بات کی اور اس سے پوچھا کہ "یہ کونسی نماز کی اذان ہے"۔

اس نے جواب دیا "فجر کی نماز کی"۔

میں نے پوچھا "اور عشاء کی اذان؟"۔

وہ بولا "وہ تو مغرب کی اذان کے ساتھ ہی ہو جاتی ہے"۔

اس درزی نے کہا کہ یہاں پر رات مختصر ہوتی ہے مگر اب ذرا لمبی ہونے لگی ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ گزشتہ ایک مہینے سے رات رات بھر نہیں سویا مبادا اس کی آنکھ نہ کھلے اور

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

فجر کی نماز قضا ہو جائے۔ اسی طرح آدمی مغرب کی نماز کے لئے وضو کرنے کی غرض سے پانی گرم کرنے کے لئے چولہے پر رکھتا ہے تو جب تک پانی گرم ہوتا ہے عشاء کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے(۱۳۰)۔

ابن فضلان نے کہا:

''میں نے دیکھا کہ یہاں سال کے ایک حصے میں دن نہایت طویل ہوتا ہے اور جب دن طویل ہوتا ہے تو رات بہت چھوٹی ہوتی ہے۔ پھر رات لمبی ہونے لگتی ہے اور دن چھوٹا ہونے لگتا ہے اور پھر رات طویل ہو جاتی ہے اور دن بہت ہی مختصر ہو جاتا ہے۔

اپنی آمد کے دوسرے دن میں رات کے وقت اپنے خیمے کے باہر بیٹھا تھا۔ میں نے آسمان کی طرف منہ اُٹھا کر دیکھا تو مجھے آسمان پر چند ہی ستارے دکھائی دیئے۔ میں نے شمار کیا تو وہ تعداد میں صرف پندرہ تھے جو وسیع وعریض آسمان میں دور دور بکھرے ہوئے تھے۔ میرا خیال ہے کہ غروب آفتاب کے وقت یہاں افق پر جو سرخی چھا جاتی ہے وہ پوری طرح سے معدوم نہیں ہوتی جس کے سبب رات زیادہ تاریک نہیں ہوتی۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں رات کی تاریکی میں بھی آدمی کو اتنی دور سے پہچان لیا جاتا ہے جتنی دور کمان سے تیر نکل کر جاتا ہے(۱۳۱)۔

میں نے مشاہدہ کیا کہ یہاں پر چاند آسمان کے وسط میں نہیں ہوتا بلکہ اس کے بیرونی حصے میں کچھ دیر کے لئے نظر آتا ہے اور اس کے بعد سحر نمودار ہو جاتی ہے اور ماہتاب غروب ہو جاتا ہے۔ بادشاہ نے مجھے بتایا کہ یہاں سے تین ماہ کی مسافت پر واقع ''ویسو''۔(۱۳۲) نامی ایک قوم رہتی ہے۔ ان کی رات ہماری رات سے بھی مختصر ہوتی ہے ایک گھنٹہ سے بھی کم۔

میں نے یہاں پر طلوع آفتاب کا منظر بھی دیکھا۔ صبحدم ہر چیز' زمین' پہاڑ اور ہر وہ چیز جس پر انسان کی نظر پڑتی ہے سُرخ دکھائی دیتی ہے۔ سورج سُرخ رنگ کا ایک بڑا سا گول دکھائی دیتا ہے۔ اور نصف النہار پر پہنچنے تک فضا پر سُرخی چھائی رہتی ہے۔ شہر

والوں نے مجھے بتایا کہ جب سردی کا موسم آتا ہے تو رات دن سے لمبی ہو جاتی ہے اور دن رات سے چھوٹا ہو جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص صبحدم اس شہر سے نکل کر آتل (۱۳۳) نامی شہر جو یہاں سے ایک فرسخ کے فاصلے پر واقع ہے جانے کے لئے چلے تو اس کے وہاں پہنچتے پہنچتے اندھیرا ہو جاتا ہے اور آسمان پر تارے نکل آتے ہیں۔

یہاں لوگ کُتوں کے بھونکنے کو نیک فال خیال کرتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کُتوں کے بھونکنے سے (زمین کی) زرخیزی بڑھتی ہے اور برکت اور خوش حالی آتی ہے۔

میں نے دیکھا کہ اس ملک میں سانپ بڑی کثرت سے پائے جاتے ہیں اور ایک ایک درخت پر دس دس سانپ دکھائی دیتے ہیں۔ یہاں کے لوگ سانپ کو نہیں مارتے اور نہ سانپ کسی کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ ایک دفعہ میں نے ایک بستی میں ایک بہت ہی اونچا درخت دیکھا جو کوئی ایک سو ہاتھ (ذراع) سے زیادہ لمبا تھا۔ یہ درخت جڑ سے اکھڑ کر زمین پر پڑا ہوا تھا۔ اس کا تنا بہت ہی موٹا تھا۔ میں اس کے قریب کھڑا ہوا اسے دیکھ رہا تھا کہ ناگاہ اس نے ہلنا شروع کر دیا جس سے میں ڈر گیا اور مجھ پر خوف طاری ہو گیا۔ پھر میں ڈرتے ڈرتے اس کے اور قریب گیا تو میں نے دیکھا کہ ایک بڑا سانپ اس کے تنے سے چمٹا ہوا ہے جو خود بھی تنے کی طرح سے موٹا اور اسی کی طرح لمبا ہے۔ جب سانپ نے مجھے دیکھا تو جنگل میں غائب ہو گیا۔ اسے دیکھ کر مجھ پر وحشت طاری ہو گئی اور میں وہاں سے سیدھا بادشاہ کے پاس پہنچا جو اپنے مصاحبین کے ہمراہ بیٹھا تھا۔ میں نے اس کو اور حاضرین مجلس کو سارا ماجرا سنایا مگر ان میں سے کسی نے میری بات پر توجہ نہ دی۔ بادشاہ نے کہا'' پریشان مت ہو وہ (سانپ) تمہیں کچھ نہیں کہیں گے''(۱۳۴)۔

ایک دن ہم بادشاہ کے ہمراہ اس کی خیمہ گاہ میں گئے۔ تکین سوسن اور بارس کے علاوہ بادشاہ کا ایک مصاحب بھی میرے ہمراہ تھا۔ ہم جنگل کے اندر گئے جہاں ہمیں ریشم کی طرح کی نرم و نازک ننھی سی ایک سبز ڈالی دکھائی دی۔ اس ڈالی کے پتے چوڑے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

چوڑے تھے اور ڈالی زمین پر پھیلی ہوئی تھی۔ اس پر گوندنی جیسے چھوٹے چھوٹے دانے (پھل) لگے ہوئے تھے۔ اگر کوئی شخص ان دانوں کو کھائے تو وہ یہی سمجھے گا کہ وہ املیسی (۱۳۵) انار کے دانے کھا رہا ہے۔ ہم نے اس کے چند دانے چکھے۔ ہم نے اس کو نہایت لذیذ پایا۔ پھر ہم اس کو تلاش کرتے اور جہاں بھی ملتا جی بھر کے کھاتے۔

میں نے دیکھا کہ اس ملک میں سیب نہایت شوخ سبز رنگ کا ہوتا ہے مگر اس کا ذائقہ شراب کے سرکے سے زیادہ ترش ہوتا ہے۔ نوجوان لڑکیاں ان کو خوب کھاتی ہیں اور کھا کھا کر موٹی ہو جاتی ہیں۔

میں نے اس ملک میں بُندُق (۱۳۶) کے درختوں سے زیادہ کسی اور پھل کے درخت نہیں دیکھے۔ میں نے ان کے درختوں کے جنگل دیکھے جن میں ایک جنگل چالیس فرسخ لمبا اور اتنا ہی چوڑا تھا۔

میں نے یہاں ایسے درخت بھی دیکھے جن کے بارے میں میں کچھ نہیں جانتا۔ یہ درخت بہت بلند تھے اور ان کی شاخوں پر پتا نہیں تھا۔ ان درختوں کا بالائی حصہ بالکل کھجور کے درخت کی طرح تھا۔ فرق صرف یہ ہے کہ کھجور کے برخلاف ان درختوں پر باریک باریک نازک شاخیں ہوتی ہیں جو ایک جھنڈ کی شکل میں ہوتی ہیں (۱۳۷)۔ مقامی لوگ ان درختوں کے تنوں میں سوراخ کر کے ایک برتن کو سوراخ کے منہ پر رکھ دیتے ہیں۔ سوراخ میں سے ایک رقیق مادہ نکل کر برتن میں جمع ہو جاتا ہے۔ یہ مادہ شہد سے زیادہ شیریں اور لذیذ ہوتا ہے۔ اگر کوئی اس کو ضرورت سے زیادہ پی لے تو اسے ویسا ہی نشہ چڑھ جاتا ہے جیسا کہ شراب پینے سے چڑھتا ہے۔

یہاں کے لوگ بالعموم باجرے (جاورس) کی روٹی اور گھوڑے کا گوشت کھاتے ہیں حالانکہ جوار اور گندم یہاں بافراط پیدا ہوتی ہے۔

یہاں لوگ جو کچھ پیدا کرتے ہیں وہ خود لے جاتے ہیں۔ بادشاہ کا اس میں کوئی حصہ نہیں ہوتا (۱۳۸)۔ البتہ ہر گھرانہ بادشاہ کو سال میں ایک بار ایک سمور نذر کرتا ہے۔

جب بادشاہ کسی دشمن پر حملہ کرنے کے لئے فوج تیار کرتا ہے تو لوٹ مار سے حاصل ہونے والے مال میں بادشاہ برابر کا حصہ دار ہوتا ہے۔

یہاں ہر آدمی پر لازم ہے کہ جب وہ شادی بیاہ کے موقعہ پر ضیافت کا اہتمام کرے یا کھانے پر مہمانوں کو مدعو کرے تو ضیافت کے معیار کے مطابق بادشاہ کی خدمت میں نذرانہ پیش کرنے کے ساتھ ساتھ پیالہ بھر شہد سے بنی ہوئی نبیذ اور تھوڑی سی نامرغوب گندم بھی پیش کرے۔ گندم کے نامرغوب ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس زمین پر گندم کاشت کی جاتی ہے اس کا رنگ سیاہ ہوتا ہے اور وہ جگہ فاسد (بساند والی) ہوتی ہے۔

ان کے یہاں خوراک کو ذخیرہ کرنے کا کوئی انتظام نہیں ہے اور وہ اپنی بچی ہوئی خوراک کو ایک گڑھے میں دبا دیتے ہیں جو چند دنوں میں بُس جاتی ہے اور اس میں سے بدبو آنے لگتی ہے۔

یہاں زیتون کا تیل ہوتا ہے نہ تل کا اور نہ کھانا پکانے کے لئے کسی اور قسم کا تیل ملتا ہے (۱۳۹)۔ کھانا پکانے کے لئے یہ لوگ مچھلی کا تیل استعمال کرتے ہیں۔ جو چیز بھی اس تیل میں پکتی ہے وہ بدبودار اور کثیف ہوتی ہے۔

یہ لوگ جَو کا شوربہ بناتے ہیں جو وہ اپنے غلاموں اور کنیزوں کو کھلاتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ گوشت میں جَو ڈال کر پکاتے ہیں' گوشت وہ خود کھاتے ہیں اور جَو غلاموں اور کنیزوں کے لئے چھوڑ دیتے ہیں۔ البتہ بھیڑ بکری کا سر کنیزوں کو کھلایا جاتا ہے۔

یہاں سب لوگ نمدے کی ٹوپی قلانس پہنتے ہیں (۱۴۰)۔

بادشاہ تن تنہا گھڑ سواری کرتا ہے۔ اس کے ہمراہ نہ نوکر چاکر ہوتے ہیں نہ کوئی اور ہمسفر۔ جب وہ بازار سے گزرتا ہے تو اس کو دیکھ کر ہر شخص اپنی جگہ پر کھڑا ہو جاتا ہے اور احتراماً اپنی ٹوپی کو سر سے اُتار کر بغل میں دبا لیتا ہے۔ جب بادشاہ کی سواری گزر جاتی ہے تو پھر ہر شخص اپنی ٹوپی اوڑھ لیتا ہے اور اپنی جگہ پر بیٹھ جاتا ہے۔ اسی طرح سے ہر وہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اگر کچھ لوگ کہیں جا رہے ہوں اور ان میں سے کسی کو پیشاب کی حاجت ہو جائے اور وہ اپنے ہتھیار سمیت پیشاب کرنے بیٹھ جائے تو اس کے ساتھی اس کو لوٹ لیتے ہیں، اس کے ہتھیار چھین لیتے ہیں اور کپڑے تک اتار لیتے ہیں غرضکہ وہ سب کچھ چھین لیتے ہیں جو اس کے پاس ہوتا ہے۔ یہ ان کا معمول ہے۔ لیکن جو شخص پیشاب کرتے وقت اپنے ہتھیار اُتار کر رکھ دیتا ہے تو اس کے ساتھ یہ سلوک نہیں کیا جاتا۔

یہاں پر مرد و زن ننگے ہو کر دریا میں ایک ساتھ نہاتے ہیں۔ وہ ایک دوسرے سے پردہ نہیں کرتے۔ لیکن وہ کسی حال میں بھی زنا کا ارتکاب نہیں کرتے۔ اگر کوئی شخص خواہ وہ کسی حیثیت کا مالک ہو زنا کا مرتکب ہوتا ہے تو اس کو سزا ملتی ہے۔ سزا دینے کے لئے وہ زمین میں چار میخیں گاڑتے ہیں اور زانی کے چاروں ہاتھ پاؤں کو ان میخوں کے ساتھ باندھ دیتے ہیں اور پھر کلہاڑی کے وار کر کے سر سے لے کر ران تک حصوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔ یہی حشر وہ زانی عورت کا کرتے ہیں اور زانی مرد اور زانی عورت کے ٹکڑے ایک درخت پر لٹکا دیتے ہیں۔

میں نے جان توڑ کوشش کی کہ میں عورتوں کو برہنہ ہو کر نہاتے وقت مردوں سے پردہ کرنے پر آمادہ کر سکوں مگر میں اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔

جیسی سزا زانی مرد اور زانی عورت کو دی جاتی ہے ویسی ہی سزا چور کو بھی دی جاتی ہے۔ اس کے جسم کے بھی ٹکڑے ٹکڑے کر دیے جاتے ہیں۔

یہاں کے جنگلوں میں شہد بہت ہوتا ہے جو شہد کی جنگلی مکھیوں کے چھتوں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ لوگ چھتوں کی تلاش میں جنگل میں پھرتے رہتے ہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ چھتوں کی تلاش میں پھرنے والوں کو ان کے دشمن قتل کر دیتے ہیں۔

ان کے ہاں تجارت پیشہ لوگ زیادہ ہیں جو ترکوں کے علاقوں میں جاتے ہیں اور وہاں سے بھیڑیں لے کر آتے ہیں یا "ویسو" نامی ملک میں جاتے ہیں اور وہاں سے سیبل اور کالی لومڑی کے سمور لے کر آتے ہیں (۱۴۴)۔

یہاں ہمیں ایک ایسا خاندان بھی ملا جو "برنجار" (۱۴۵) کے نام سے موسوم تھا۔ یہ خانوادہ مرد و زن مل کر پانچ ہزار سے زیادہ نفوس پر مشتمل تھا جو سارے کے سارے مسلمان تھے۔ ان لوگوں نے اپنے لئے ایک مسجد بنا رکھی تھی جو ساری کی ساری لکڑی کی بنی ہوئی تھی اور جہاں یہ لوگ نماز پڑھتے تھے۔ یہ لوگ قرآن نہیں پڑھ سکتے تھے۔ میں نے ان میں سے کچھ لوگوں کو کم از کم اتنا پڑھا دیا جتنا کہ نماز پڑھنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔

ایک شخص نے میرے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ اس کا نام "طالوت" تھا۔ میں نے اس کا نام عبداللہ رکھا تو وہ بولا "تم مجھے محمد کے نام سے پکارو"۔ چنانچہ میں نے ایسا ہی کیا۔ اس کی بیوی، اس کے بچوں اور اس کی ماں نے بھی اسلام قبول کر لیا اور وہ سب کے سب محمد کہلائے۔ میں نے اس کو سورۃ الحمد اور سورۃ اخلاص سکھائیں۔ ان دونوں سورتوں کو یاد کر کے اسے اتنی خوشی حاصل ہوئی جتنی کہ شاید صقالبہ کا بادشاہ بن جانے سے بھی نہ ہوتی۔

ایک دفعہ ہم بادشاہ کے پاس گئے جو اس وقت "آب خلجہ" "ایک خلیج (جھیل) کے کنارے خیمہ زن تھا۔ یہ خلیج عبارت ہے تین جھیلوں سے جن میں سے دو جھیلیں بڑی ہیں اور ایک جھیل چھوٹی ہے لیکن تینوں کی تینوں بہت گہری ہیں (۱۴۶)۔ ان جھیلوں اور ایک بڑے دریا جس کا نام اتل ہے کے درمیان اندازاً ایک فرسخ کا فاصلہ ہے۔ اتل دریا یہاں سے گزر کر خزر علاقے میں داخل ہوتا ہے۔ اس دریا پر وقفے وقفے سے بازار لگتا ہے جہاں قیمتی قیمتی اشیاء فروخت کے لئے لائی جاتی ہیں۔

تکین نے مجھے بتایا تھا کہ صقالبہ کے ملک میں ایک نہایت تنومند اور بڑے بھاری جثے کا آدمی رہتا تھا۔ جب میں یہاں پہنچا تو ایک دن میں نے بادشاہ سے اس کے بارے میں استفسار کیا۔ بادشاہ نے کہا "ہاں ایسا آدمی ہمارے ملک میں رہتا تھا مگر اب مر چکا ہے۔ وہ اس ملک کا رہنے والا نہیں تھا۔ نہ ہی وہ ہم جیسا انسان تھا۔ اس کی داستان اس طرح سے ہے کہ ایک دفعہ سوداگروں کی ایک جماعت تجارت کے لئے دریائے اتل پر گئی جو ہمارے یہاں سے ایک دن کی مسافت پر ہے اور جہاں تاجر لوگ اکثر آتے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

جاتے رہتے ہیں۔ دریا چڑھا ہوا تھا اور طغیانی کے باعث دریا کا پانی دونوں کناروں سے باہر آگیا تھا۔ ایک دن ان میں سے چند سوداگر میرے پاس آئے اور بولے "اے بادشاہ! دریا میں ایک ایسا آدمی بہتا ہوا آیا ہے جو اگر ہمارے قریب رہنے والی کسی قوم کا فرد ہے تو ہمارے لئے اس ملک میں رہنا ممکن نہیں رہے گا اور مجبوراً ہمیں اس ملک کو چھوڑ کر کسی اور جگہ جانا پڑے گا"۔ چنانچہ میں گھوڑے پر سوار ہوا اور ان تاجروں کے ساتھ دریا کی جانب چل پڑا۔ جب میں دریا کے کنارے پہنچا تو ناگاہ مجھے وہ آدمی دکھائی دیا۔ وہ بارہ ہاتھ لمبا تھا' اس کا سر ایک بڑے دیگچے جتنا بڑا تھا' اس کی ناک ایک بالشت برابر تھی' اس کی آنکھیں بڑی بڑی تھیں اور اس کے ہاتھ کی انگلیاں بالشت بالشت سے بھی لمبی تھیں۔ اس کی وضع قطع اور ڈیل ڈول دیکھ کر میں ڈر گیا اور میں بھی اسی طرح دہشت زدہ ہوگیا جیسے دوسرے لوگ خوف زدہ ہو گئے تھے۔ ہم نے اس آدمی سے بات کرنے کی کوشش کی مگر وہ بات نہ کر سکا' صرف ہماری طرف دیکھتا رہا۔

میں اس آدمی کو اپنے ساتھ لے آیا اور "ویسو" (۱۴۷) کے لوگوں کو جو یہاں سے تین ماہ کی مسافت کے فاصلہ پر ہیں اس کے بارے میں کچھ معلومات حاصل کرنے کی غرض سے خط لکھا۔ "ویسو" والوں نے جواب میں لکھا کہ یہ آدمی یاجوج وماجوج (۱۴۸) کی قوم میں سے ہے جو ہمارے یہاں سے تین مہینے کی مسافت کے فاصلے پر رہتی ہے۔ یہ لوگ ننگے رہتے ہیں اور ہمارے اور ان کے درمیان سمندر حائل ہے۔ یہ لوگ ساحل سمندر پر آباد ہیں اور حیوانوں کی طرح ایک دوسرے کے ساتھ مجامعت کرتے ہیں۔ خداوند ان کے لئے ہر روز سمندر میں سے ایک بڑی مچھلی اُچھال کر ساحل پر پھینک دیتا ہے۔ ہر شخص چُھری لے کر آتا ہے اور اپنی اور اپنے خاندان کی ضرورت کے مطابق مچھلی کا گوشت کاٹ کر لے جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی ضرورت سے زیادہ گوشت لے جاتا ہے تو وہ اور اس کا سارا خاندان مر جاتا ہے۔ جب سب لوگ اپنی اپنی ضرورت کا گوشت لے لیتے ہیں تو مچھلی اُچھل کر واپس سمندر میں چلی جاتی ہے۔ ایسا ہر روز ہوتا ہے۔ ہمارے اور ان کے

درمیان ایک طرف سمندر ہے اور باقی اطراف سے ان کو پہاڑوں نے گھیرے میں لے رکھا ہے۔ علاوہ ازیں ایک دیوار ان کے اور اس دروازے کے درمیان میں حائل ہے جس میں سے نکل کر یہ لوگ باہر جا سکتے ہیں اگر خداوند عزّ وجل چاہتا ہے کہ یہ لوگ یہاں سے نکل کر آباد دنیا میں جائیں تو وہ اس دیوار میں سوراخ کر دیتا ہے اور سمندر کو خشک کر دیتا ہے اور مچھلی آنا بند ہو جاتی ہے"۔

پھر میں نے بادشاہ سے اس آدمی کے بارے میں مزید پوچھ تو وہ بولا "کچھ مدت تک وہ میرے پاس رہا۔ وہ جس بچے پر نظر ڈالتا تھا وہ مر جاتا تھا' جس حاملہ عورت کی طرف دیکھتا تھا تو اس کا حمل گر جاتا تھا۔ اگر کوئی آدمی اس کے ہتھے چڑھ جاتا تھا تو وہ اس کو اپنے دونوں ہاتھوں سے اس وقت تک مسلتا رہتا تھا جب تک کہ اس کا کام تمام نہیں ہو جاتا۔ جب میں نے یہ سب کچھ دیکھا تو میں نے اسے ایک اونچے درخت پر لٹکا دیا جہاں وہ اس وقت تک لٹکا رہا جب تک کہ وہ مر نہ گیا۔ اگر تم اس کی ہڈیاں اور سر (کھوپڑی) دیکھنا چاہتے ہو تو میں تمہیں دکھا سکتا ہوں۔ میں نے کہا "بخدا میں دیکھنا چاہوں گا"۔ چنانچہ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور مجھے اپنے ساتھ لے کر ایک جنگل میں پہنچا جہاں اونچے اونچے درخت تھے۔ وہ میرے آگے آگے چلتا ہوا ایک بلند و بالا درخت کے نیچے پہنچ گیا جہاں اس دیو قامت آدمی کی کھوپڑی اور دوسری ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ میں نے اس کی کھوپڑی دیکھی جو شہد کی مکھیوں کے ایک بڑے چھتے جتنی بڑی تھی' اس کی پسلی کی ہڈیاں کھجور کے درخت کی خشک ٹہنی سے زیادہ بڑی تھیں۔ اسی طرح اس کی ٹانگوں کی ہڈیاں اور بازو کھجور کی خشک شاخ سے زیادہ بڑی تھیں"۔ میں اس مشاہدے سے بہت محظوظ ہوا۔ یہ ہڈیاں دیکھ کر ہم واپس آگئے۔

پھر بادشاہ جو "خلیجہ" نامی جھیل کے کنارے مقیم تھا وہاں سے ہٹ کر "جاؤشیر" نامی دریا کے کنارے منتقل ہو گیا اور وہاں پر دو ماہ تک قیام کیا۔ جب وہ "جاؤشیر" سے روانہ ہونے لگا تو اس نے سُوار (سُوز) (۱۴۹) نامی قبیلہ کے لوگوں کو طلب کیا اور ان کو اپنے ہمراہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

چلنے کی ہدایت کی۔ ان لوگوں نے اس کے ساتھ چلنے سے انکار کیا۔ مگر ان میں پھوٹ پڑ گئی۔ ان کا ایک حصہ بادشاہ کے داماد کا حامی ہو گیا جس نے اپنے بادشاہ ہونے کا اعلان کر رکھا تھا۔ بادشاہ کے اس داماد کا نام "ویرغ" (١٥٠) تھا۔ بادشاہ نے ان لوگوں کو پیغام بھیجا کہ "اللہ جل شانہٗ نے مجھے اسلام کی دولت سے سرفراز کیا ہے اور مجھے امیرالمومنین کی قوت و حمایت بھی حاصل ہے۔ میں امیرالمومنین کا خادم ہوں اور امیرالمومنین نے مجھے معاملات کو چلانے کا اختیار دے رکھا ہے۔ جو بھی میری مخالفت کرے گا اس کو میری تلوار کا سامنا کرنا ہوگا"۔

قبیلے کا دوسرا حصہ اپنے قبیلے کے بادشاہ کے ساتھ ہو گیا جس کا نام "اسکل" تھا اور شاہ اسکل کہلاتا تھا۔ وہ شاہ صقالبہ کا وفادار تھا مگر وہ مسلمان نہیں ہوا تھا۔

جب شاہ صقالبہ کا خط ان لوگوں کو ملا تو وہ ڈر گئے اور سب مل کر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے جو ابھی تک "دریائے جاؤشیر" کے کنارے خیمہ زن تھا۔ اس دریا کی چوڑائی بہت کم ہے، یہ کوئی پانچ ہاتھ چوڑا ہے، ناف تک گہرا ہے جبکہ عام طور پر پانی ٹخنوں ٹخنوں تک ہوتا ہے۔ اس کے اطراف میں "خدنگ" (١٥١) اور دیگر اقسام کے درخت بکثرت پائے جاتے ہیں۔

اس دریا کے قریب ایک وسیع و عریض بیابان ہے جہاں لوگوں کے کہنے کے مطابق ایک ایسا جانور رہتا ہے جو اونچائی میں اونٹ سے ذرا کم اور بیل سے زیادہ بڑا ہوتا ہے، اس کا سر اونٹ جیسا ہوتا ہے اور اس کی دم بیل کی طرح ہوتی ہے، جبکہ اس کا دھڑ خچر کے جسم کی طرح ہوتا ہے اور اس کے کھر بیل کی طرح ہوتے ہیں۔ اس کی پیشانی پر ایک موٹا سینگ ہوتا ہے جو جڑ کے پاس موٹا ہوتا ہے اور اوپر کو جاتے جاتے پتلا ہوتا جاتا ہے اور آخری سرے پر پہنچ کر نیزے کی انی کی طرح باریک ہو جاتا ہے (١٥٢)۔ ان میں سے بعض جانوروں کے سینگ تین سے پانچ ہاتھ لمبے ہوتے ہیں، بعض کے اس سے بھی لمبے ہوتے ہیں (١٥٣)۔ یہ جانور درختوں کے ہرے پتے کھاتے ہیں۔ جب یہ جانور کسی گھڑسوار کو دیکھتے ہیں تو اس پر جھپٹ پڑتے ہیں۔ اگر سوار کا گھوڑا تیز رفتار ہوتا ہے تو وہ

کوشش کر کے اس کے حملے سے بچ جاتا ہے۔ لیکن اگر یہ جانور گھڑسوار کو آ لیتا ہے تو پھر وہ اپنے سینگ کے ذریعہ کو اس کے گھوڑے سے اٹھا لیتا ہے اور پھر اسے ہوا میں اچھال دیتا ہے اور وہ اس وقت تک اچھالتا رہتا ہے جب تک کہ وہ مر نہیں جاتا۔ وہ گھوڑے کو کچھ نہیں کہتا۔ یہاں کے لوگ اس جانور کو مارنے کے لئے اسے بیابانوں اور جنگلوں میں تلاش کرتے رہتے ہیں۔ تلاش کرنے والے بلند و بالا درختوں پر چڑھ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے ساتھ اچھے تیر انداز ہوتے ہیں اور ان کے پاس زہر میں بجھے ہوئے تیر ہوتے ہیں۔ جونہی انہیں یہ جانور دکھائی دیتا ہے وہ اس پر تیروں کی بارش کر دیتے ہیں اور اس وقت تک تیر برساتے رہتے ہیں جب تک وہ مر نہیں جاتا۔

میں نے بادشاہ کے مکان میں تین بڑے بڑے قاب (طیفوریاتِ کبار) دیکھے جو دیکھنے میں عقیق یمنی کے بنے ہوئے لگتے تھے لیکن بادشاہ نے مجھے بتایا کہ یہ قاب اس جانور کے سینگ کے نچلے حصے سے بنائے گئے تھے۔ کچھ لوگوں نے مجھے بتایا کہ اس جانور کو "کرکون" یا "کرکدن" (گینڈا) کہتے ہیں۔

میں نے ان لوگوں میں کوئی سرخ رو (صحت مند) آدمی نہیں دیکھا۔ اکثر لوگ بیمار ہی نظر آئے۔ یہاں زیادہ تر لوگ درد قولنج سے مرتے ہیں حتیٰ کہ دودھ پیتے بچے بھی اس بیماری میں مبتلا ہوتے ہیں۔

اس ملک میں اگر کوئی مسلمان انتقال کر جاتا ہے (١٥٤) یا خوارزم کی کسی خاتون کا خاوند وفات پا جاتا ہے تو اسے مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق غسل دیتے ہیں۔ پھر میت کو ایک گاڑی پر رکھتے ہیں جس کے آگے ایک علم بردار چلتا ہے۔ وہ میت کو اس جگہ لے جاتے ہیں جہاں اسے دفن کرنا ہوتا ہے۔ تدفین کے مقام پر پہنچ کر میت کو گاڑی سے اتار کر زمین پر رکھتے ہیں۔ پھر اس میت کے گرد ایک لکیر کھینچتے ہیں پھر وہ میت کو یہاں سے اٹھا کر کسی اور جگہ رکھ دیتے ہیں اور دائرے کے اندر قبر کھودتے ہیں جو اس کی آخری آرام گاہ ہوتی ہے۔ یہ ہوتا ہے مُردوں کے ساتھ ان کا طرزِ عمل۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

عورتیں مردوں کی موت پر آہ وزاری نہیں کرتیں بلکہ یہ مرد لوگ ہوتے ہیں جو مرنے والے کی موت پر آنسو بہاتے ہیں۔ لوگ مرنے والے کے گھر اس وقت جاتے ہیں جب وہ قریب المرگ ہوتا ہے۔ مگر وہ خیمے کے اندر نہیں جاتے بلکہ دروازے پر ہی کھڑے رہتے ہیں۔ یہاں کھڑے ہو کر وہ انتہائی بھونڈی ناہنجار اور دہشتناک آوازیں نکالتے ہیں اور آہ وزاری کرتے ہیں۔

یہ آزاد لوگ ہیں۔ جب رونا دھونا بند ہو جاتا ہے تو غلام ہاتھ میں چمڑے کے درے لئے آتے ہیں اور اپنے ننگے جسموں پر درہ زنی شروع کر دیتے ہیں اور اپنے آپ کو اس وقت تک پیٹتے رہتے ہیں جب تک ان کے جسم پر ایسی بدھیاں نہیں پڑ جاتیں جیسی کوڑا مارنے سے پڑ جاتی ہیں (۱۵۵)۔ بالآخر وہ مرنے والے کے دروازے پر ایک علم لہراتے ہیں' اس کے ہتھیاروں کو خیمے سے نکال کر اور انہیں قبر کے چاروں اور (طرف) رکھ دیتے ہیں۔

مرنے والے کے لئے دو برس تک شیون و زاری کی جاتی ہے۔ دو برس گزر جانے کے بعد اس کے خیمہ پر لہرانے والا علم اتار دیتے ہیں' اپنے سر کے بال منڈواتے ہیں' مرنے والے کے قریبی عزیز رشتہ دار کھانے کی دعوت کا انتظام کرتے ہیں جو اس بات کا اعلان ہوتی ہے کہ عزاداری کا زمانہ ختم ہو گیا ہے (۱۵۶)۔ اگر مرنے والے کی بیوی ہوتی ہے تو اب وہ دوبارہ شادی کر لیتی ہے۔ مگر ایسا اسی صورت میں ہوتا ہے جبکہ مرنے والا کوئی سردار یا عمائدین میں سے ہو۔ عام لوگ ان میں سے چند رسوم ہی ادا کرتے ہیں۔

صقالبہ کا بادشاہ خزر قوم کے بادشاہ کا باج گزار ہے اور وہ اپنی اقلیم میں بسنے والے ہر خاندان کی طرف بادشاہ خزر کو فی خاندان ایک عدد سمور بطور خراج ادا کرتا ہے (۱۵۷)۔

جب ملک خزر سے کوئی جہاز صقالبہ میں داخل ہوتا ہے تو شاہ صقالبہ گھوڑے پر سوار ہو کر جاتا ہے اور جہاز میں لدے ہوئے مال کا جائزہ لیتا ہے اور جو کچھ اس میں ہوتا ہے اس کا دسواں حصہ وصول کرتا ہے۔ جب روسی یا کسی اور قوم کے تاجر غلاموں سے لدے ہوئے جہاز

لے کر صقالبہ آتے ہیں تو بادشاہ ہر دس میں سے ایک غلام، اپنے لئے چن لیتا ہے۔

خزر کے بادشاہ نے صقالبہ کے بادشاہ کے ایک بیٹے کو بطور یرغمال اپنے دربار میں رکھا ہوا ہے۔ خزر کے بادشاہ کو پتہ چلا کہ شاہ صقالبہ کی ایک بیٹی بہت ہی خوبصورت ہے۔ اس نے اپنا سفیر بھیج کر صقالبہ کے بادشاہ سے شہزادی کا رشتہ طلب کیا۔ صقالبہ کے بادشاہ نے اس کا برا مانا اور رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ اس پر شاہ خزر نے صقالبہ پر فوج کشی کر دی اور طاقت کے بل پر شہزادی کو اپنے ساتھ لے گیا حالانکہ خزر بادشاہ یہودی تھا اور صقالبہ کی شہزادی مسلمان تھی۔ وہ اس کے دربار میں جا کر مر گئی۔ اس کی موت کے بعد شاہ خزر نے پھر اپنا ایلچی صقالبہ کے بادشاہ کے پاس بھیجا اور اس کی کسی اور بیٹی کا رشتہ طلب کیا۔ شاہ صقالبہ نے راتوں رات اس کا رشتہ اسکل بادشاہ کے ساتھ کر دیا جو اس کا باج گزار تھا۔ شاہ صقالبہ کو ڈر تھا کہ کہیں اس کی دوسری بیٹی بھی پہلی بیٹی کی طرح زبردستی نہ اٹھا لی جائے اور وہ بھی اپنی بہن کی طرح ہلاک ہو جائے۔ یہ شاہ خزر کا خوف تھا جس کے باعث شاہ صقالبہ نے خلیفہ المقتدر سے اپنے لئے ایک قلعہ تعمیر کرنے کی درخواست کی تھی۔

ایک دن میں نے بادشاہ سے پوچھا "آپ کا ملک بڑا وسیع ہے اور آپ کے پاس بے شمار دولت ہے اور آپ کے پاس آمدنی (محاصل) کے بھی بہت سے ذرائع ہیں تو پھر آپ نے امیر المومنین سے کیوں یہ درخواست کی کہ خلیفہ اپنے خرچ سے آپ کے لئے ایک قلعہ تعمیر کرے جس کی تعمیر پر کچھ زیادہ لاگت نہیں آئے گی"۔ اس پر بادشاہ نے جواب دیا کہ "میں دیکھ رہا ہوں کہ اسلامی سلطنت بہت خوش حال ہے اور اس کی قانونی محاصل سے ہونے والی آمدنی میری آمدنی کے مقابلے میں جائز اور حلال ہے۔ میں نے خلیفہ سے رقم یہی سوچ کر مانگی تھی کہ قلعہ جائز اور حلال کی آمدنی سے تعمیر کیا جائے۔ اس نے کہا کہ اگر میں اپنے پیسے سے چاندی یا سونے کا قلعہ بنانا چاہوں تو یہ میرے لئے ناممکن بات نہ ہو گی۔ میں نے تو امیر المومنین سے صرف بطور تبرک رقم لینا چاہی تھی اور اسی وجہ سے میں نے اس کی درخواست کی تھی"۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

روسی

میں نے روسیوں (الروسیہ)(۱۵۸) کو دیکھا جو تجارت کے لئے آئے اور دریائے اتل (والگا) کے کنارے اترے۔ میں نے جسمانی طور پر ایسے متناسب الاعضاء لوگ پہلے کہیں نہیں دیکھے۔ کھجور کے درخت کی طرح قد آور، بھورے بال، سُرخ و سفید رنگت والے یہ لوگ نہ قرطق پہنتے ہیں اور نہ جلیقہ (گفتان/خفتان)(۱۵۹)۔ ان کے مرد ایک ایسا لباس پہنتے ہیں جس سے وہ اپنے ایک کندھے کو ڈھانپ لیتے ہیں اور اپنا دوسرا ہاتھ آزاد رکھتے ہیں۔ ان میں ہر ایک کے پاس ایک عدد کلہاڑی، ایک عدد تلوار اور ایک عدد چاقو ہوتا ہے۔ اور وہ کبھی بھی ان ہتھیاروں کے بغیر نظر نہیں آتے۔

ان کی تلوار عام تلوار کے مقابلے میں زیادہ چوڑی ہے اور اس پر فرنجیوں (فرنگیوں) کی تلواروں کی طرح لہردار دھاریں ہوتی ہیں۔ ہاتھ کے ناخن سے لے کر گردن تک ان کے جسم پر طرح طرح کے جانوروں اور درختوں کی تصویریں نقش ہوتی ہیں۔ ان کی ہر عورت اپنے سینے پر ایک گول ڈبیا باندھے رکھتی ہے(۱۶۰) جو اس کے شوہر کی مالی حیثیت، دولت اور مرتبے کے مطابق لوہے، تانبے، چاندی یا سونے کی بنی ہوتی ہے۔ ہر

ڈبیا میں ایک حلقہ پڑا ہوتا ہے جس میں ایک عدد خنجر آویزاں ہوتا ہے جو اس کے سینے کے ساتھ لگا رہتا ہے۔ ان کے گلے میں چاندی یا سونے کی ہنسلیاں ہوتی ہیں۔ جب کسی عورت کے شوہر کے پاس دس ہزار درہم جمع ہو جاتے ہیں تو وہ اس کے لئے ایک ہنسلی بنوا دیتا ہے۔ جب اس کے پاس بیس ہزار درہم ہو جاتے ہیں تو ایک ہنسلی اور بنواتا ہے۔ اور اگر تیس ہزار درہم ہو جائیں تو ایک اور ہنسلی بنوا کر دیتا ہے یعنی ہر دس ہزار درہم کے بعد ایک ہنسلی بنواتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بعض عورتیں اپنے گلے میں دو دو تین تین اور کبھی چار چار ہنسلیاں پہنے ہوتی ہیں۔ ان کے زیورات میں سب سے زیادہ شاندار وہ ہوتے ہیں جو سفال (مٹی) سے بنائے جاتے ہیں اور جن کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ مٹی کے منکوں کو آگ میں پکایا جاتا ہے، رنگ برنگ کے منکوں کو ایک ڈوری میں پرو کر مالا یا ہار بنا کر پہنا جاتا ہے ایک منکا ایک درہم میں آ جاتا ہے۔

یہ (روسی) اللہ کی غلیظ ترین مخلوق ہے۔ یہ لوگ نہ تو پیشاب کر کے دھوتے ہیں اور نہ پاخانہ کر کے دھوتے ہیں اور نہ غسل جنابت کرتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد ہاتھ نہیں دھوتے۔ واقعی یہ لوگ جنگلی گدھوں کی طرح ہیں۔ یہ لوگ اپنے ملک سے اتل (والگا) دریا میں جو ایک بڑا دریا ہے کشتیوں کے ذریعہ سفر کر کے آتے ہیں۔ دریا کے کنارے لنگر انداز ہوتے ہیں اور دریا کے کنارے کنارے لکڑی کے مکان بناتے ہیں۔ ہر مکان میں دس یا بیس یا اس سے زیادہ افراد رہتے ہیں۔ مکان کے اندر ہر فرد کے لئے ایک پلنگ ہوتا ہے جس پر وہ بیٹھتا ہے اور اس کے پاس بہت سی خوبصورت لڑکیاں ہوتی ہیں جن کو وہ لونڈی کے طور پر فروخت کرنے کے لئے اپنے ہمراہ لاتا ہے۔ وہ اپنے ساتھیوں کی موجودگی میں ان میں سے کسی بھی لڑکی کے ساتھ مباشرت کر لیتا ہے۔ بعض اوقات یہ لوگ ایک دوسرے کے مقابلے میں ٹولیاں بنا کر سرِعام مباشرت کرتے ہیں۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کوئی شخص لونڈی خریدنے کی غرض سے ان کے یہاں آتا ہے اور دیکھتا ہے کہ جس لڑکی کو وہ خریدنا چاہتا تھا اس لڑکی کا آقا اس کے ساتھ مباشرت میں مصروف ہے تو وہ اس وقت کا انتظار کرتا ہے جب لڑکی کا آقا اپنی ہوس پوری کر لیتا ہے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

یہ لوگ بلا ناغہ ہر روز ممکنہ حد تک نجس غلیظ اور کثیف ترین پانی سے اپنا منہ اور سر دھوتے ہیں۔ ہر روز صبح کے وقت ایک کنیز پانی سے بھرا ہوا ایک بڑا سا لگن لے کر آتی ہے اور اس لگن کو سب سے پہلے اپنے آقا کے سامنے رکھتی ہے۔ اس کا آقا پہلے ہاتھ دھوتا ہے پھر منہ دھوتا ہے' پھر اسی پانی سے اپنا سر دھوتا ہے' پھر کنگھی کرتا ہے' پھر ناک سنکتا ہے اور رینٹ کو اسی لگن میں ڈال دیتا ہے' پھر وہ اسی پانی سے کلی کرتا ہے اور کلی کا پانی اسی لگن میں ڈال دیتا ہے' غرض کہ کوئی ایسا غلیظ کام نہیں جو اس پانی سے نہ کرتا ہو۔ جب وہ یہ سب کچھ کر کے فارغ ہو جاتا ہے تو کنیز لگن کو اُٹھا کر لے جاتی ہے اور اسے اس آدمی کے سامنے رکھ دیتی ہے جو مرتبے میں اس کے آقا سے نچلے درجہ پر ہوتا ہے۔ یہ دوسرا شخص بھی وہی کچھ کرتا ہے جو پہلے شخص نے کیا تھا۔ جب یہ دوسرا شخص بھی فارغ ہو جاتا ہے تو کنیز اس لگن کو اُٹھا کر تیسرے آدمی کے سامنے رکھ دیتی ہے اور وہ تیسرا بھی وہی کچھ کرتا ہے جو اس سے پہلے والوں نے کیا تھا۔ پھر وہ لگن کو اُٹھا کر کسی اور کے پاس لے جاتی ہے اور وہ بھی اس پانی سے ہاتھ منہ دھوتا ہے' سر دھوتا ہے' ناک صاف کرتا ہے اور کلی کرتا ہے اور اپنی ناک اور منہ کی تمام غلاظتیں اسی لگن میں ڈال دیتا ہے۔ جب سب لوگ فارغ ہو جاتے ہیں تو کنیز لگن لے کر چلی جاتی ہے۔

جوں ہی جہاز لنگر انداز ہوتا ہے جہاز پر سوار ہر شخص اپنی روٹیاں' گوشت' پیاز' دودھ اور شراب لے کر جلدی سے جہاز پر سے اترتا ہے اور سیدھا لکڑی کے بنے ہوئے اس کھمبے کی طرف جاتا ہے جس پر آدمی کی شبیہہ بنی ہوتی ہے۔ اس بڑے کھمبے کے دونوں جانب اسی طرح کے انسانی شکلوں کے چھوٹے چھوٹے کھمبے گڑے ہوتے ہیں۔ بڑے کھمبے کے سامنے پہنچتے ہی ہر شخص سجدہ ریز ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: "اے میرے رب میں بہت دور سے آیا ہوں۔ میرے پاس اتنی لونڈیاں ہیں' اتنے اتنے پوستینیں اور سمور ہیں"۔ وہ ایک ایک کر کے ان تمام اشیاء کا ذکر کرتا ہے جو وہ مال تجارت کے طور پر اپنا ساتھ لاتا ہے۔ اس کے بعد وہ کہتا ہے "یہ میں تیری نذر کے لئے لایا ہوں" یہ کہہ کر وہ اپنا سارا مال واسباب کھمبے کے سامنے رکھ دیتا ہے اور پھر کہتا ہے "میری تمنا ہے کہ تو میرے لئے کوئی ایسا

خریدار بھیج دے جس کے پاس درہم و دینار کی فراوانی ہو جو میرا سارا مال تجارت خرید لے" ۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ جاتا ہے۔

اگر کسی کو اپنا مال بیچنے میں مشکل پیش آتی ہے اور اس کے قیام کی مدت طویل ہو جاتی ہے تو وہ اس کھمبے کو نذر پیش کرنے کے لئے دوبارہ کبھی کبھی سہ بارہ اس کے پاس جاتا ہے اور اگر اس پر بھی کام نہ بنے تو پھر وہ چھوٹے کھمبوں کے پاس جاتا ہے اور ان سے مدد طلب کرتا ہے اور کہتا ہے کہ "یہ ہمارے رب کی بیویاں' بیٹیاں اور بیٹے ہیں"۔ وہ ایک ایک کے سامنے جاتا ہے اور ان سے مدد مانگتا ہے اور گریہ وزاری کرتا ہے۔ اور بالآخر جب اس کا مال فروخت ہو جاتا ہے تو کہتا ہے "میرے رب نے میری حاجت پوری کر دی ہے تو اب مجھے بھی نذرانہ پیش کرنا چاہئے"۔ چنانچہ وہ چڑھاوے کے طور پر چند بھیڑیں یا چند گائے یا بیل ہلاک کرتا ہے' ایک حصہ گوشت بانٹ دیتا ہے اور باقی ماندہ گوشت ان چھوٹے بڑے چوبی مجسموں کے آگے لا کر ڈال دیتا ہے۔ اور بھیڑ یا گائے یا بیل کا سر لکڑی کے ان ستونوں پر لٹکا دیتا ہے جو انسانی مجسموں کے قریب اس مقصد کے لئے زمین میں گڑے ہوتے ہیں۔ رات میں کتے سارا گوشت کھا جاتے ہیں تو نذر گزارنے والا کہتا ہے کہ "میرا رب مجھ سے خوش ہے (کیونکہ) اس نے میرا نذر کردہ گوشت کھا لیا ہے"۔

اگر کوئی شخص بیمار ہو جاتا ہے تو اس کے لئے بستی سے باہر میدان میں ایک خیمہ نصب کر دیا جاتا ہے اور بیمار کو اس خیمے میں ڈال آتے ہیں۔ اور کھانے کے لئے کچھ روٹیاں اور پینے کے لئے پانی اس کے پاس رکھ دیتے ہیں۔ پھر وہ اس کے قریب نہیں جاتے' نہ ہی وہ اس سے بات کرتے ہیں۔ بیماری کے دوران کوئی شخص اس کے پاس نہیں جاتا' خاص کر اگر وہ غریب یا غلام ہے۔ اگر کوئی غریب مر جاتا ہے تو وہ اس کے مردے کو آگ میں جلا دیتے ہیں۔ لیکن اگر کوئی غلام مر جائے تو اس کے مردے کو یوں ہی پڑا رہنے دیا جاتا ہے اور کتے اور گوشت خور پرندے اس کو ہڑپ کر جاتے ہیں۔

اگر کوئی چور یا لٹیرا پکڑا جائے تو اس کی گردن میں پھندا ڈال کر کسی درخت کی

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

شاخ سے لٹکا دیا جاتا ہے جہاں وہ اس وقت تک ٹنگا رہتا ہے جب تک کہ باد و باراں کے باعث اس کا جسم ٹکڑے ٹکڑے ہو کر ختم نہیں ہو جاتا۔

مجھے بتایا گیا کہ یہ لوگ اپنے سردار کی موت پر عجیب و غریب رسومات ادا کرتے ہیں جن میں سے ایک رسم مردے کو سپرد آتش کرنا ہوتی ہے۔ مجھے ایسے معمولات کو جاننے کا بے حد شوق تھا۔ چنانچہ جب مجھے خبر ملی کہ ان کی کوئی اہم شخصیت فوت ہو گئی ہے تو مجھے اس کی رسومات دیکھنے کا موقعہ ملا۔

میں نے دیکھا کہ انہوں نے ایک گڑھا کھود کر مردے کو دس دن کے لئے اس میں رکھ دیا۔ اور گڑھے کو اوپر سے ڈھانپ دیا۔ پھر اس کے لئے نیا لباس تراشا اور سیا گیا۔ مرنے والا اگر کوئی غریب معمولی آدمی ہو تو اس کو ایک چھوٹی سی کشتی میں ڈال کر سپرد آتش کر دیا جاتا ہے۔ لیکن مرنے والا اگر مالدار آدمی ہوتا ہے تو اس کا سرمایہ ایک جگہ پر جمع کیا جاتا ہے اور پھر اس کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ ایک حصہ مرنے والے کے اہل خانہ کو دیا جاتا ہے' ایک حصہ مردے کا لباس سینے اور دوسری رسومات کے لئے اور تیسرا حصہ نبیذ (شراب) کی خریداری کے لئے رکھ دیا جاتا ہے۔ یہ شراب مردے کی آخری رسومات ادا کرنے کے دن پی جاتی ہے۔ اس روز مرنے والے کی ایک کنیز کو جو اس کے ساتھ مرنے کے لئے رضامند ہوتی ہے قتل کر کے مردے کے ساتھ نذر آتش کیا جاتا ہے۔

یہ لوگ شراب کے بڑے رسیا ہیں۔ اور دن رات شراب نوشی میں مصروف رہتے ہیں۔ بعض لوگ تو شراب کا پیالہ ہاتھ میں لئے لئے ہی مر جاتے ہیں۔

جب ان کے سردار کا انتقال ہوتا ہے تو اس کے اہل خانہ اپنے جواں سال غلاموں اور کنیزوں سے پوچھتے ہیں کہ "تم میں سے کون اپنے آقا کے ساتھ مرنا چاہتا ہے"۔ ان میں سے کوئی جواب دیتا ہے "میں مروں گی یا مروں گا" جوں ہی کوئی یہ بات کہتا یا کہتی ہے وہ مرنے کا پابند ہو جاتا ہے۔ اس کو اپنے الفاظ واپس لینے کا اختیار نہیں ہوتا۔ اور اگر وہ ایسا کرنا چاہے بھی تو اس کو ایسا کرنے نہیں دیا جاتا۔ مرنے کی حامی بھرنے والی بالعموم کوئی کنیز ہی ہوتی ہے۔

جس آدمی کی موت کا میں ذکر کر رہا ہوں جب اس کے اہل خانہ نے مرنے والے کی کنیزوں سے پوچھا کہ "اس کے ساتھ کون مرے گا" تو ان میں سے ایک بولی "میں"۔ اس کے "میں" کہتے ہی اس کنیز کو دو لڑکیوں کی تحویل میں دے دیا گیا تاکہ وہ اس کی نگرانی کریں' ہر وقت اس کے ساتھ رہیں اور جہاں کہیں وہ جائے اس کے ساتھ ساتھ جائیں۔ حتیٰ کہ یہ لڑکیاں اپنے ہاتھوں سے اس کے پاؤں تک دھوتی ہیں۔

اس کے بعد مرنے والے کے لئے لباس کی تیاری شروع کی جاتی ہے اور ابھی کے ساتھ مردہ سوزی سے متعلق دوسرے معاملات پر بھی توجہ دی جاتی ہے۔ ادھر مرنے کی حامی بھرنے والی کنیز دبا کے شراب پیتی رہتی ہے' گانا گاتی رہتی ہے اور خوش و خرم رہتی ہے۔

جس دن مردے کو سپرد آتش کیا جانا تھا اور اس کے ساتھ اس کی ایک کنیز کو بھی نذر آتش کرنا تھا تو اس دن میں دریا پر گیا جہاں وہ کشتی کھڑی ہوتی تھی جس میں رکھ کر مردے کو جلایا جانا تھا۔ میں نے دیکھا کہ اس کشتی کو دریا میں سے نکال کر ساحل پر لایا گیا۔ اس کو سہارا دینے کے لئے لکڑی کے ستون اس کے چاروں طرف نصب کئے اور اس کو ان ستونوں کے سہارے کھڑا کیا گیا۔ پھر کشتی کے چاروں طرف سوختنی لکڑی کی باڑ لگائی گئی پھر کچھ لوگوں نے کشتی کے عرشہ پر چلنا پھرنا شروع کر دیا اور آپس میں گفتگو کرنے لگے جن کو میں بالکل نہ سمجھ سکا۔ میت ابھی تک گڑھے میں پڑی تھی۔ ابھی تک باہر نہیں لائی گئی تھی۔ پھر وہ ایک تخت لے کر آئے۔ اس تخت کو کشتی میں رکھا۔ تخت کے اوپر ایک گدیلا رکھا اور گاؤ تکیے رکھے جن پر رومی ریشمی غلاف چڑھے ہوئے تھے۔ پھر ایک بوڑھی عورت آئی جس کو یہ لوگ ملک الموت کہتے ہیں۔ اس نے گدیلے کو تخت پر بچھایا اور گاؤ تکیوں کو ایک قرینے سے گدیلے کے اوپر رکھا۔ یہی عورت ہے جو کنیز کو ہلاک کرے گی۔ مجھے وہ ایک بوڑھی کھوسٹ بدوضع سیاہ فام چڑیل دکھائی دی۔

پھر لوگ اس گڑھے کے پاس پہنچے جس میں مردہ پڑا ہوا تھا۔ انہوں نے جگہ کو صاف کیا' گڑھے کے اوپر (دس دنوں میں) جو گھاس پھونس اور مٹی جمع ہو گئی تھی اس کو جھاڑ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کر صاف کیا' گڑھے کو ڈھانپنے کی غرض سے جو لکڑیاں اس کے اوپر رکھی ہوئی تھیں ان کو ہٹا کر ایک طرف کیا۔ پھر مردے کو گڑھے سے باہر نکالا جو ابھی تک وہی کپڑے پہنے ہوئے تھا جن میں اسے موت آئی تھی۔

میں نے دیکھا کہ یہاں کے شدید سرد موسم کے باعث مردے کی رنگت سیاہ ہو گئی ہے۔ انہوں نے گڑھے کے اندر اس کے پہلو میں جو شراب' میوہ اور ساز (طنبورہ) رکھے تھے ان سب کو بھی باہر نکالا۔ واقعی لاش نہ گلی سڑی تھی اور نہ سوائے رنگت کے اس میں کوئی اور تبدیلی آئی تھی۔

انہوں نے مُردے کو سراویل (۱۶۱) پہنائی' جرابیں پہنائیں جوتے پہنائے' قرطق (کرتا) پہنایا اور اس کے اوپر ریشمی خفتان جس میں سونے کے بٹن لگے ہوئے تھے پہنایا' سر پہ دیباج سموریہ (۱۶۲) کی ٹوپی (قلنسوہ/قلنسہ) رکھی۔ لباس پہنانے کے بعد وہ میت کو جہاز پر لے گئے اور وہاں اسے اس خیمے کے اندر رکھ دیا جو خاص طور پر اس کے لئے بنایا گیا تھا۔ یہاں اسے تخت پر بچھے ہوئے گدیلے پر بیٹھایا اور سہارا دینے کے لئے دونوں جانب گاؤ تکیے رکھ دیے۔ پھر وہ شراب' میوہ اور خوشبویات لائی گئیں جو گڑھے میں سے نکال کر لائے تھے۔ پھر نان (روٹی)' گوشت اور پیاز اس کے سامنے ڈھیر کی گئیں۔ پھر وہ ایک کتا لے کر آئے اور کاٹ کر اس کے دو ٹکڑے کئے اور انہیں جہاز پر پھینک دیا۔ پھر وہ اس کے تمام ہتھیار لے کر آئے اور انہیں اس کے پہلو میں رکھ دیا۔ پھر دو گھوڑے لائے۔ ان گھوڑوں کو خوب دوڑایا یہاں تک کہ وہ پسینے سے شرابور ہو گئے۔ پھر ان دونوں کو تلوار کے وار کر کے ہلاک کیا اور ان کا گوشت بھی اسی طرح سے جہاز پر پھینک دیا جس طرح سے کتے کا گوشت پھینکا تھا۔ اس کے بعد دو گائیں لائی گئیں اور ان کو بھی اسی طرح سے ہلاک کیا گیا جس طرح سے گھوڑوں کو ہلاک کیا تھا اور ان کا گوشت بھی جہاز پر پھینک دیا۔ پھر انہوں نے ایک مرغ اور ایک مرغی ہلاک کی اور ان کا گوشت بھی جہاز پر پھینک دیا۔

اس دوران وہ کنیز جس نے اپنے آقا کے ساتھ مرجانا قبول کیا تھا شراب پیتی

رہی' گانا گاتی رہی' گھومتی پھرتی رہی' وہ کبھی اس خیمے میں جاتی' کبھی اُس خیمے میں۔ وہ جس خیمے میں جاتی' خیمے والا آدمی اس کے ساتھ جماع کرتا اور اس سے کہتا ہے کہ "اپنے آقا سے کہنا میں نے یہ فعل اس کی محبت میں کیا ہے"۔

جب جمعہ کے دن عصر کا وقت ہوا تو اس کنیز کو اس طرف لے گئے جہاں لکڑی کا ایک چوکھٹا رکھا ہوا تھا جیسے دروازے کی چوکھٹ (ملبن الباب) ہوتی ہے۔ چوکھٹ کے پاس پہنچ کر کئی لوگوں نے اپنے ہاتھ پھیلا دیے اور کنیز اپنے دونوں پاؤں ان کے ہاتھوں پر رکھ کے کھڑی ہو گئی۔ ان سب نے مل کر کنیز کو چوکھٹے سے اوپر اُٹھایا۔ اس پر کنیز نے اپنی زبان میں کچھ کہا۔ لوگ اسے نیچے لے آئے۔ انہوں نے ایک بار پھر اسے اوپر اُٹھایا اور اس نے پھر کچھ کہا۔ لوگ اسے پھر نیچے لے آئے۔ انہوں نے پھر تیسری بار اس کو اوپر اُٹھایا اور کنیز نے پھر اپنی زبان میں کچھ کہا، اس کے بعد کنیز کے ہاتھ میں ایک مرغی تھما دی گئی۔ کنیز نے مرغی کا سر کاٹ کر پھینک دیا اور لوگوں نے مرغی اس کے ہاتھ سے لے کر جہاز پر پھینک دی۔

میں نے اپنے ترجمان سے دریافت کیا کہ یہ سب کیا تھا اور لڑکی نے کیا کہا۔ اس نے بتایا کہ جب لڑکی کو پہلی بار چوکھٹے کے اوپر اُٹھایا تھا تو اس نے کہا تھا "آہا! یہاں میں اپنے ماں باپ کو دیکھ رہی ہوں' جب دوسری بار اسے اوپر اُٹھایا گیا تو اس نے کہا تھا "آہا! یہاں میں اپنے مرے ہوئے تمام رشتے داروں کو دیکھ رہی ہوں' اور تیسری بار اس نے کہا تھا "آہا! میں اپنے آقا کو دیکھ رہی ہوں۔ وہ جنت میں بیٹھا ہے۔ جنت خوبصورت اور سرسبز ہے' میرے آقا کے ساتھ اس کے احباب اور اس کے غلام بھی بیٹھے ہیں۔ وہ مجھے اپنے پاس بلا رہا ہے۔ مجھے اس کے پاس بھیج دو"۔

پھر وہ لوگ کنیز کو جہاز کی طرف لے گئے۔ جہاز کے پاس پہنچ کر اس نے اپنی دو چوڑیاں اتار کر اس عورت کو دیدیں جس کو ملک الموت کہا جاتا ہے اور جو تھوڑی دیر کے بعد اس کنیز کو قتل کرنے والی تھی۔ پھر اس نے اپنے دو عدد بازو بند ان دو لڑکیوں کو دیئے جو گوشت

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

دس دن سے اس کی خدمت کر رہی تھیں اور جو ملک الموت کی بیٹیاں تھیں۔

پھر کنیز کو جہاز پر چڑھا دیا گیا۔ مگر اس کو اس خیمے کے اندر جانے نہیں دیا جس میں اس کے آقا کی لاش رکھی تھی۔ اب کچھ لوگ اپنے ایک ہاتھ میں چھوٹا سا ڈنڈا اور دوسرے ہاتھ میں ڈھال لئے نمودار ہوئے، انہوں نے کنیز کو پینے کے لئے شراب کا پیالہ پیش کیا۔ کنیز نے پیالہ لیا اور گانا گانے لگی اور پھر غٹا غٹ پی گئی۔ ترجمان نے مجھ سے کہا "وہ اپنی ساتھی کنیزوں کو الوداع کہہ رہی ہے" پھر اسے شراب کا ایک اور پیالہ دیا گیا۔ یہ پیالہ لے کر اس نے پھر گانا شروع کر دیا۔ اس دفعہ گانا کچھ زیادہ لمبا ہو گیا تو اس پیرزن جس کو ملک الموت کہا جاتا ہے اسے گانا ختم کرنے اور پیالہ خالی کرنے کی ہدایت کی۔ اور اس کو خیمے کے اندر جانے پر اکساتی رہی جہاں اس کا آقا محو استراحت تھا۔

میں نے دیکھا کہ کنیز اب شراب کے نشے میں بدمست ہو چکی تھی اور ایسا لگتا تھا کہ وہ خیمے کے اندر جانے دلی ہے مگر پھر بھی کھوسٹ بڑھیا نے اسے دھکیل کر خیمے کے اندر پھینک دیا اور ساتھ ہی خود بھی خیمے کے اندر چلی گئی۔ لڑکی کے خیمے میں داخل ہوتے ہی لوگوں نے اپنی ڈھالوں پر زور زور سے ڈنڈے برسانا شروع کر دیئے تا کہ اس شور میں لڑکی کی چیخ و پکار سنائی نہ دے سکے، اور دوسری کنیزیں خوف زدہ نہ ہو جائیں کہ پھر کوئی کنیز اپنے آقا کے ساتھ مرنے کی حامی بھرنے سے انکار کر دے۔ بڑھیا کے اندر جاتے ہی چھ اور لوگ خیمے میں داخل ہوئے۔ یہ وہی چھ لوگ تھے جنہوں نے آج اس کنیز کے ساتھ باری باری جماع کیا تھا۔ پھر سب نے مل کر کنیز کو اس کے آقا کے پہلو میں لٹا دیا۔ پھر دو آدمیوں نے اس کی دونوں ٹانگیں پکڑیں' دو نے اس کے بازو تھامے اور دو نے اس کے گلے میں رسی کا پھندا ڈالا اور رسی کے دونوں سروں کو ایک ایک آدمی پکڑ کر کھڑا ہو گیا تا کہ انہیں دو مختلف سمتوں میں کھینچ کر گھیرا تنگ کیا جا سکے۔ پھر یہ پیرزن چوڑے پھل کا خنجر ہاتھ میں لئے آگے بڑھی اور اس کی پسلیوں کے درمیان پیوست کر دیا۔ اور پھر پے در پے کئی وار کئے۔ اس کے ساتھ رسی کے دونوں سرے پکڑے کھڑے دونوں آدمی رسی کو اس وقت تک کھینچتے رہے

جب تک کہ اس کا دم نہ گھٹ گیا اور وہ کوئی آواز نکالے بغیر مر نہ گئی (۱۶۳)۔

اس کے بعد مرنے والے کے عزیز و رشتہ دار آئے۔ اس کے سب سے قریبی رشتے دار نے ایک خشک لکڑی اٹھائی' اس کو آگ لگائی اور الٹے پاؤں چلتا ہوا جہاز کے قریب گیا۔ اس نے جہاز کی طرف رخ نہیں کیا۔ اس کا رخ ساحل پر کھڑے ہوئے لوگوں کی طرف رہا۔ اس کے ایک ہاتھ میں جلتی ہوئی لکڑی تھی اور اس نے اپنا دوسرا ہاتھ اپنی مقعد پر رکھا ہوا تھا کیونکہ وہ مادر زاد ننگا تھا۔ اس نے جلتی ہوئی لکڑی سے لکڑیوں کے اس ڈھیر کو آگ لگائی جو جہاز کے ارد گرد رکھی گئی تھیں۔

پھر لوگ اپنے ہاتھوں میں جلتی ہوئی لکڑیاں لئے آگے بڑھے اور ان جلتی ہوئی لکڑیوں کو جہاز کے اوپر پھینک دیا جس سے آگ بھڑک اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے اس نے جہاز کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جلد ہی وہ خیمہ بھی آگ کی لپیٹ میں آ گیا جس میں مرنے والا اور اس کی کنیز کے لاشے پڑے ہوئے تھے۔ پھر زوردار اور وحشت ناک ہوا چلی' آگ میں تیزی آ گئی اور شعلے آسمان سے باتیں کرنے لگے۔

میرے برابر میں ایک روسی کھڑا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا کہ وہ میرے ترجمان سے باتیں کر رہا ہے۔ میں نے اپنے ترجمان سے پوچھا کہ "یہ شخص کیا کہہ رہا ہے"۔ اس نے بتایا کہ وہ کہتا ہے کہ "تم عرب لوگ بڑے احمق ہو"۔ میں نے پوچھا "وہ کیسے" اس نے جواب دیا "تم اپنے عزیز ترین اور محترم ہستیوں کو زمین میں دبا دیتے ہو جہاں مٹی اور کیڑے مکوڑے انہیں کھا جاتے ہیں جبکہ ہم انہیں جلا دیتے ہیں اور وہ پلک جھپکتے ہی جنت میں پہنچ جاتے ہیں"۔ یہ کہہ کر وہ روسی بڑے بھونڈے طریقہ سے ہنسا۔ میں نے ترجمان سے دریافت کیا کہ وہ اس طرح سے کیوں ہنس رہا ہے تو اس نے جواب دیا "کیونکہ خداوند مرنے والے سے بہت محبت کرتا ہے اس لئے اس نے تیز و تند ہوا بھیج دی ہے تا کہ وہ اسے (مرنے والے کو) ایک گھنٹے کے اندر اندر اٹھا کر اوپر لے جائے"۔ اور واقعی ابھی ایک گھنٹہ بھی نہ ہوا تھا کہ جہاز' لکڑیاں' لڑکی اور اس کا آقا سب کچھ جل کر راکھ ہو گئے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

پھر انہوں نے اس جگہ جہاں پر جہاز کو خشکی پر لا کر کھڑا کیا گیا تھا ایک ٹیلہ سا بنایا' اس ٹیلے کے وسط میں صنوبر کی لکڑی کا ایک بڑا سا شہتیر نصب کیا اور اس ستون پر مرنے والے کا نام اور روسیوں کے بادشاہ کا نام کندہ کیا۔ اور پھر یہاں سے روانہ ہو گئے۔

روس کے بادشاہ کے بہت سے دستور ہیں۔ ان میں سے ایک دستور یہ ہے کہ وہ اپنے بھروسے کے اور بہادر ساتھیوں میں سے چار سو ایسے آزمودہ کار، فراد کو ہمیشہ اپنے محل میں رکھتا ہے جو اس کے، شارہ پر اپنی جان بھی نچھاور کر دیتے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک کے پاس ایک کنیز ایسی ہوتی ہے جو اس کی خدمت کرتی ہے' اس کا سر دھوتی ہے اور اس کے کھانے پینے کا خیال رکھتی ہے اور ایک کنیز ایسی ہوتی ہے جس کے ساتھ وہ جنسی اختلاط کرتا ہے۔ یہ چار سو جانباز اس کے تخت کے گرد بیٹھتے ہیں۔ اس کا تخت بہت بڑا ہے اور اس میں قیمتی جواہرات جڑے ہوئے ہیں۔ اس کی چالیس کنیزیں ہیں جو اس کے محل میں رہتی ہیں اور یہ سب اس کے ساتھ تخت پر بیٹھتی ہیں۔ وہ ان میں سے جس کنیز کے ساتھ چاہے حاضرین کی موجودگی میں مجامعت کر لیتا ہے۔

بادشاہ اپنے تخت سے نیچے نہیں اترتا۔ قضائے حاجت کے لئے ایک طشت استعمال کرتا ہے۔ جب وہ سواری کی خواہش کرتا ہے تو گھوڑا اس کے تخت کے پاس لایا جاتا ہے اور وہ اپنے تخت ہی سے گھوڑے پر سوار ہوتا ہے اور جب گھوڑے سے اترنا چاہتا ہے تو بھی تخت ہی پر آ کر اترتا ہے۔ اس کا نائب فوجوں کی کمان کرتا ہے' اس کے دشمنوں سے جنگ کرتا ہے اور رعایہ کے سامنے اس کی نمائندگی کرتا ہے۔

خزر

خزر قوم کے بادشاہ کا نام "خاقان" (۱۹۴) ہے بالعموم وہ لوگوں کے سامنے نہیں آتا۔ چار ماہ میں صرف ایک بار باہر آتا ہے اور وہ بھی لوگوں سے ایک خاص فاصلہ پر رہتا ہے۔ اس کو خاقان عظم کہا جاتا ہے اور اس کے نائب کو "خاقان بہ" کہتے ہیں۔ یہی خاقان بہ اس کی فوجوں کی قیادت کرتا ہے اور کاروبارِ مملکت چلاتا ہے اور اس کا سارا بوجھ اُٹھاتا ہے' یہی خاقان کی طرف سے لوگوں کے سامنے جاتا ہے اور دشمنوں سے جنگ کرتا ہے۔ پڑوس کے بادشاہ اسی کی اطاعت کرتے ہیں۔ وہ روزانہ خاقان کی خدمت میں باادب ہو کر حاضری دیتا ہے اور اپنی انکساری اور اطاعت کا ہر طرح سے اظہار کرتا ہے۔ وہ خاقان اعظم کی خدمت میں ننگے پاؤں حاضر ہوتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سوختنی لکڑی ہوتی ہے۔ وہ بادشاہ کو سلام کرتا ہے پھر لکڑی کو جلاتا ہے جب لکڑی جلنے لگتی ہے تو وہ بادشاہ کے دائیں جانب تخت پر بیٹھ جاتا ہے۔ "خاقان بہ" کا نمائندہ "کندر خاقان" کہلاتا ہے اور کندر خاقان کے نمائندے کو "جاؤشیغر" کہا جاتا ہے۔

خاقان عظم کا دستور ہے کہ وہ دربارِ عام نہیں لگاتا اور نہ لوگوں کو اذنِ باریابی

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

دیتا ہے۔ اور نہ عام لوگوں سے کلام کرتا ہے اور نہ مذکورہ بالا اشخاص کے سوا کسی اور کو اس کے قریب آنے کی اجازت ہے۔

مملکت کا کاروبار چلانے' مجرموں کو سزا دینے اور دیگر معاملات کو نبٹانے کا اختیار "خاقان بہ" کے پاس ہے۔

یہاں کا دستور ہے کہ جب خاقان اعظم کا انتقال ہو جاتا ہے تو اس کے لئے ایک بڑا مکان تعمیر کیا جاتا ہے جس میں بیس کمرے ہوتے ہیں۔ ہر کمرے میں اس کے لئے قبر کھودی جاتی ہے۔ پتھر کو پیس پیس کر سرمہ کی مانند باریک کر کے اس کو قبر کے اوپر پھیلا دیا جاتا ہے اور پھر اس کے اوپر چونا پھیر دیا جاتا ہے۔ اس مکان کے نیچے ایک ندی بہتی ہے جس میں ہر دم پانی رواں رہتا ہے۔ قبر اس ندی کے اوپر بنائی جاتی ہے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ قبر کو ندی کے اوپر اس لئے بنایا جاتا ہے تاکہ شیطان یا کوئی انسان یا کیڑے مکوڑے اس تک نہ پہنچ سکیں"۔

خاقان اعظم کی تدفین کے بعد ان تمام لوگوں کے سر قلم کر دیئے جاتے ہیں جو تدفین کے وقت موجود ہوتے ہیں۔ یہ اس لئے کیا جاتا ہے تاکہ کسی کو معلوم نہ ہو سکے کہ خاقان اعظم کو کس کمرے میں دفن کیا گیا تھا۔ اس کی قبر کو جنت کہا جاتا ہے اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ "وہ جنت میں داخل ہو گیا ہے"۔ ہر کمرے میں بنی ہوئی قبر پر کمخواب کی چادر چڑھی ہوتی ہے۔

خزر لوگوں کے رواج کے مطابق خاقان اعظم کی پچیس بیویاں ہوتی ہیں۔ ہر بیوی کسی نہ کسی ہمسایہ بادشاہ کی بیٹی ہوتی ہے جسے وہ برضا و رغبت یا بزور حاصل کرتا ہے۔ ان بیویوں کے علاوہ اس کے محل میں ساٹھ کنیزیں ہوتی ہیں جو خوبصورتی میں ایک سے بڑھ کر ایک ہوتی ہیں۔ آزاد اور غلام عورتیں (کنیزیں) سب الگ الگ محل (قصر) میں رہتی ہیں اور ہر محل کے اندر ایک کمرہ (قبہ) ہوتا ہے جس کی چھت ساگوان کی لکڑی کی بنی ہوتی ہے۔ یہ قبہ بادشاہ کے لئے ہوتا ہے۔ یہ بادشاہ کے لئے مخصوص ہوتا ہے۔ ہر عورت کے ساتھ خواہ وہ

آزاد ہو یا کنیز ایک خواجہ سرا ہوتا ہے جو اس کا خیال رکھتا ہے۔ جب بادشاہ کو ان (بیویوں اور کنیزوں) میں سے کسی ایک کے ساتھ اختلاط کی خواہش ہوتی ہے تو وہ خواجہ سرا کو بلا بھیجتا ہے اور خواجہ سرا چشم زدن میں مطلوبہ بیوی یا کنیز کو بادشاہ کے بستر میں پہنچا دیتا ہے۔ جب تک بادشاہ فارغ نہیں ہو جاتا خواجہ سرا شاہی قبہ کے دروازہ پر کھڑا رہتا ہے اور جوں ہی بادشاہ فارغ ہوتا ہے وہ بیوی یا کنیز جو بھی ہو اس کا ہاتھ پکڑ کر بعجلت تمام بادشاہ کے پاس سے لے جاتا ہے۔ اس کے بعد خواجہ سرا اس عورت کو تنہا نہیں چھوڑتا۔

بادشاہ جب گھوڑے پر سوار ہوتا ہے تو ساری فوج اس کی پیروی کرتی ہے مگر بادشاہ اور فوج کے درمیان ایک میل کا فاصلہ ہوتا ہے۔ رعایا کا کوئی فرد اگر بادشاہ کو دیکھ لے تو وہ فوراً ہی منہ کے بل زمین پر گر جاتا ہے اور اس کے روبرو سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔ اور جب تک بادشاہ کی سواری گزر نہ جائے وہ شخص سر اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا۔

یہاں بادشاہ کی حکومت کی عمر چالیس سال ہوتی ہے۔ جب کوئی بادشاہ چالیس سال حکومت کر لیتا ہے تو اس کی رعایا اور خدم و حشم یہ کہہ کر اس کو قتل کر دیتے ہیں کہ "اس کی عقل ماری جا چکی ہے اور اس کا دماغ چل گیا ہے"۔

جب وہ اپنی فوج کو کسی مہم پر بھیجتا ہے تو وہ کسی حالت میں پیٹھ نہیں دکھاتی۔ یہاں پر میدان جنگ میں شکست کھا کر فرار ہو کر آنے والوں کو موت کی سزا دی جاتی ہے۔ بادشاہ ان بھگوڑوں کو اور ان کے بیوی بچوں کو بطور سزا کسی شخص کو بخش دیتا ہے۔ یہی حشر ان کے گھوڑوں' مال مویشی اور جائیداد کا کرتا ہے جو ان سے چھین کر دوسرے لوگوں کو عطا کر دی جاتی ہے۔ کبھی کبھی جنگ میں پیٹھ دکھا کر بھاگ آنے والوں کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے ہیں اور پھر ان ٹکڑوں کو دار پر لٹکا دیا جاتا ہے۔ کبھی وہ بھگوڑوں کے گلے میں پھندا ڈال کر ان کو درختوں پر لٹکا دیتا ہے اور اگر کبھی مہربان ہو جائے تو سزا کے طور پر اصطبل کا داروغہ لگا دیتا ہے۔

بادشاہ خزر کا شہر دریائے اتل (والگا) کے دونوں کنارے پر آباد ہے۔ یہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

بہت بڑا شہر ہے۔ ایک طرف مسلمان آباد ہیں اور دوسرے کنارے پر بادشاہ اور اس کے ہم قوم (خزر) رہتے ہیں۔ بادشاہ کا ایک غلام مسلمان ہے اور وہ مسلمانوں پر حکومت کرتا ہے۔ اس کو "خز" کہا جاتا ہے۔ خزر علاقے میں رہنے والے مسلمانوں سے متعلق قانونی فیصلے یہی شخص کرتا ہے۔ اور خزر علاقے میں تجارت کے لئے آنے والے مسلمانوں کو اپنے معاملات کے لئے اسی غلام کے پاس جانا ہوتا ہے۔ اس کے سوا کوئی شخص مسلمانوں کے معاملات میں دخل نہیں دے سکتا اور نہ ہی کوئی اور مسلمانوں کے معاملات میں منصف کے فرائض ادا کرسکتا ہے۔

اس شہر میں مسلمانوں کی ایک جامع مسجد ہے جہاں وہ نماز جمعہ کے لئے جمع ہوتے ہیں۔ مسجد کا ایک بلند مینار تھا اور مسجد میں کئی موذن ہیں۔ جب ۳۱۰ھ میں شاہ خزر کو خبر ملی کہ مسلمانوں نے باب البنج (دارالبنج) میں واقع یہودیوں کی عبادت گاہ کو تباہ کردیا ہے تو اس نے مسجد کے مینار کو گرانے کا حکم دیدیا اور یہ کہہ کر موذنوں کو قتل کرادیا کہ "اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ دنیائے اسلام میں یہودیوں کی ساری کی ساری عبادت گاہیں تباہ کر دی جائیں گی تو میں اس مسجد کو بھی تباہ کردیتا"۔

خزر اور ان کا بادشاہ سب یہودی ہیں۔ صقالبہ اور ان کے ہمسایہ سارے ممالک اسی بادشاہ کے مطیع وفرمانبردار ہیں۔ وہ ان کے ساتھ اس لہجے میں کلام کرتا ہے جس لہجے میں غلاموں سے بات کی جاتی ہے مگر وہ اس کی اطاعت گزاری کے پابند ہیں۔

☆☆☆☆☆ ختم شد ☆☆☆☆☆

حواشی

۱ صقالبہ ۔ صقالبہ یا صقلبیہ سلاو (Slav) تھے۔ بعض ماہرین انہیں ترک قرار دیتے ہیں۔ یہ قوم اور خزر جس سے بحیرہ خزر (Caspian Sea) منسوب ہے ساتویں صدی عیسوی میں ترکوں کے مغربی اتحاد کے ٹوٹ جانے کے بعد نمودار ہوئی تھیں۔ دراصل یہ لوگ بلغار تھے جن کی ایک شاخ آج بھی بلغاریہ میں موجود ہے۔

۲ المش ۔ ابن فضلان کے مخطوطہ میں صقالبہ کے بادشاہ کا نام الحسن بن یلطوار لکھا ہے کئی حوالوں میں "المش بن شلکی داماد ترک" بھی لکھا گیا ہے۔ مگر بالعموم المش کے نام پر سب کا اتفاق ہے۔ یہ شخص بلغاروں کا بادشاہ تھا۔ عرب اس قوم کو صقالبہ یا سلاو کہتے تھے۔ موجودہ روس کے انتہائی مشرقی خطہ جو کوہ یورال کے مغرب میں دریائے وانگا تک پھیلا ہوا ہے اس قوم کا مسکن تھا۔ اس خطے میں آج کل تاتارستان اور باشکردی خود مختار جمہوریتیں قائم ہیں جو روسی وفاق میں شامل ہیں۔ یاد رہے کہ زیر نظر مخطوطہ ابن فضلان کی اصل

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کتاب نہیں ہے کسی نے اس کو ابنِ فضلان کے نسخے سے نقل کیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اس نے المش کو الحسن بنادیا ہو۔

۳ المقتدر۔ ابوالفضل جعفر بن معتضد الملقب بہ مقتدر باللہ ۲۹۵ تا ۳۲۰ھ (مطابق ۹۰۸ تا ۹۳۲ء) بنی عباس کا اٹھارہواں خلیفہ تھا۔ اس کا دور بڑا پُر آشوب دور تھا۔ تیرہ سال کی عمر میں خلیفہ بنا چنانچہ اس کی کمسنی اور نااہلی اور امراء کی خودغرضی اور امورِ مملکت میں عورتوں کی مداخلت واقتدار کی وجہ سے اس کے زمانہ میں خلافت کا سارا نظام درہم برہم ہوگیا تھا۔ بغاوتیں اور انقلابات روزمرہ کا معمول بن گیا تھا۔ بار بار وزارتیں بدلتی تھیں۔ ایک ایک سال میں دو دو وزراء کی نوبت آجاتی تھی۔ فاطمی خلافت کا قاہرہ میں قیام بھی اسی کے زمانے میں عمل میں آیا۔ اس افراتفری کے عالم میں المقتدر کی خلافت بھی ڈانواڈول ہوتی رہی۔ حد یہ ہے کہ اسے دو دفعہ تخت سے اُتارا گیا اور تیسری بار وہ تخت کے ساتھ ساتھ اپنی جان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھا۔ کل ملا کر اس نے ۲۵ برس حکومت کی۔ المقتدر عیش پرست خلیفہ تھا۔ امورِ مملکت سے زیادہ دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ عورتوں کی صحبت اور نبیذ میں غرق رہتا تھا۔ چنانچہ عورتیں اس پر حاوی ہوگئی تھیں' وہ بلا کا فضول خرچ تھا۔ لونڈیوں اور محلاتِ شاہی پر بے دریغ دولت لٹاتا تھا۔ اس کی تخت نشینی کے وقت خزانہ قیمتی جواہرات سے بھرا ہوا تھا۔ ان میں سے بعض جواہرات نادر روزگار تھے۔ المقتدر نے یہ سب کنیزوں پر لٹا دیئے' خزانہ خالی ہوگیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ سلطنت کے انتظامات اور فوجیوں کو تنخواہ دینے کے لئے شاہی ساز و سامان فروخت کرنا پڑ گیا۔

۳۸ سال کی عمر میں المقتدر کے اپنے پروردہ غلام مونس نے جس کو المقتدر نے ایک معمولی غلام سے اُٹھا کر امیر الامراء بنایا تھا اس کے

خلاف بغاوت کی۔ دونوں کی فوجوں میں جنگ ہوئی جس میں المقتدر مارا گیا۔ مونس کے فوجیوں نے اس کا سر تن سے جدا کر دیا۔ سر جدا کر کے اسے ڈنڈے پر آویزاں کیا' بدن کے کپڑے اتار کر لاش کو ننگا کر دیا اور عریاں لاش چھوڑ گئے۔ کسی نے دفن کرنے کی پرواہ نہ کی۔ ایک راہ گیر نے گڑھا کھود کر لاش کو زمین میں دبا دیا۔

یہ انجام ہوا اس خلیفہ کا جو ایک ایک دربار کی شان و شوکت پر لاکھوں خرچ کرتا تھا جس کے حرم میں سینکڑوں کنیزیں اور کئی ہزار غلام تھے۔

۴ نذیر حرمی۔ نذیر حرمی یا نذیر خرمی خلیفہ المقتدر کا خواجہ سرا تھا۔ المقتدر کے دربار کا ایک اہم رکن تھا اور خلیفہ کے معتمدین میں شمار ہوتا تھا۔

۵ ابنِ فرات۔ اس کا پورا نام ابوالحسن علی بن محمد بن موسیٰ بن فرات تھا۔ مقتدر کے ۲۵ سالہ دورِ حکومت میں تین مختلف ادوار میں وزیر بنا اور تینوں دفعہ معزول کیا گیا۔ آخری بار معزولی کے بعد قتل کر دیا گیا۔

ابن فرات کے خاندان نے عباسیوں کے زیر سایہ بڑی ترقی کی۔ فرات خاندان نے فضل و کمال' خلق و شرافت اور فیاضی میں بڑا نام کمایا۔ ابوالحسن میں اپنے خاندان کی یہ تمام صفات کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھیں۔ وہ بہت زیرک اور معاملہ فہم تھا۔ مسئلے کی جڑ تک پہنچ کر خوش اسلوبی کے ساتھ اس کو حل کرنے کی صلاحیتوں سے مالا مال تھا۔ اس نے اپنے حسن تدبر سے ان لوگوں کو بھی مقتدر کا حامی بنا دیا تھا جو کبھی اس کے سخت مخالفوں میں شمار ہوتے تھے ابوالحسن بغداد اور واسط کے درمیان نہروان اعلیٰ میں پیدا ہوا۔ معتضد باللہ کے دورِ خلافت میں سواد کا دیوان مقرر ہوا۔ پھر المقتدر نے ربیع الاول ۲۹۶ھ (نومبر ۹۱۸ء) کو اسے پہلی دفعہ وزیر بنایا ذوالحجہ ۲۹۹ھ (جولائی ۹۱۲ء) میں اسے ایک سازش کے الزام میں برطرف کر

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

دیا گیا۔ اسے قید کر دیا گیا اور اس کی بے شمار دولت ضبط کر لی گئی۔ بایں ہمہ وہ خلیفہ کا اعتماد بحال کرنے میں کامیاب ہوا اور المقتدر نے اسے ذوالحجہ ۳۰۴ھ (جون ۹۱۷ء) میں دوسری بار وزیر مقرر کیا۔ مگر اس کی فوجی مہموں اور فضول خرچیوں کے باعث جمادی الاول ۳۰۶ھ (اکتوبر/نومبر ۹۱۸ء) میں اس کو پھر معزول کر کے قید میں ڈال دیا گیا۔ اپنے بیٹے المحسن کے اثر و رسوخ کے باعث اس کو معافی مل گئی اور المقتدر نے ربیع الثانی ۳۱۱ھ (اگست ۹۲۳ء) کو تیسری بار منصب وزارت پر فائز کیا۔ مگر اہل بغداد کے مطالبہ پر اسے ربیع الاول ۳۱۲ھ (جون ۹۲۴ء) کو تیسری بار برطرف کر کے قید اور پھر ۱۳۔ ربیع الثانی ۳۱۲ھ (۱۹۔ جولائی ۹۲۴ء) کو اس کے بیٹے المحسن سمیت قتل کر دیا گیا۔ فرات خاندان کی سلطنت کے مختلف علاقوں میں جائیدادیں تھی۔ ان میں سے ایک جاگیر خوارزم میں بھی تھی۔ جو ارتخشمثین کے نام سے معروف تھی۔ المقتدر نے اس جاگیر کو ابن فرات سے واپس لے کر اس کی آمدنی کو صقالبہ کی سفارت کے اخراجات پورا کرنے کے لئے مختص کر دیا تھا۔

٦ عبداللہ بن باشتو الخرزی۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یہ شخص خزر قوم سے تعلق رکھتا تھا۔ مگر مسلمان تھا۔ عربی جانتا تھا۔ اسی وجہ سے شاہ صقالبہ نے اس کو اپنا سفیر بنا کر دربار خلافت میں بھیجا تھا۔

٧ سوسن الرسی المقتدر کے باپ خلیفہ مکتفی باللہ کا حاجب اور نذیر الحرمی کا مولا تھا۔

٨ تکین الترکی۔ اس کا نام تگین تھا۔ عربی میں تکین ہو گیا۔ یہ خالص ترک نام ہے جیسے الپتگین یا سبکتگین۔ پیشہ آہنگری تھا کہ ترک اس کے لئے مشہور تھے۔ اپنی تاریخ کے ابتدائی دور میں ترک چین کے لئے بہترین

تلواریں بنایا کرتے تھے اور اس وجہ سے چین کے "آہنگر" مشہور تھے۔ تکین پہلے خوارزم میں لوہار کا کام کیا کرتا تھا۔ پھر اس کام کو چھوڑ کر لوہا بیچنے کا کام شروع کیا، اور غالباً اس بیوپار کے سبب شاہ صقالبہ تک اس کو رسائی حاصل ہوئی ہوگی۔

٩ بارس (چیتا) الصقلابی یا صقلبی جیسا کہ نام سے ظاہر ہے صقلب (بلغار) تھا۔ یہ شخص غالباً عربی جانتا تھا کیونکہ وہ کافی عرصہ سے عربوں کے محروسہ علاقوں میں سامانی امیر احمد بن اسماعیل کی ملازمت میں رہا تھا۔

١٠ مطابق ۲۱ جون ۹۲۱ء

١١ نہروان۔ بغداد اور واسط کے درمیان بغداد کے مشرق میں واقع ہے بغداد سے خراساں جانے والی شاہراہ پر یہ پہلا پڑاؤ تھا جو بغداد سے ۴ فرسخ (۲۴ کلومیٹر) کے فاصلہ پر نہروان شہر کے پار واقع تھا۔

١٢ دسکرہ۔ خراساں کو جانے والے راستے پر دوسرا پڑاؤ جو بغداد سے بجانب شمال مشرق ۱۶۔ فرسخ (۹۶۔ کلومیٹر) کے فاصلہ دریائے دیالہ کے کنارے پر تھا۔ غالباً یہ ایرانی نام "دست گرد" کی عربی شکل ہے۔

١٣ حلوان۔ دسکرہ سے ۲۵ فرسخ (۱۵۰ کلومیٹر) کے فاصلہ پر صوبہ الجبال میں پہلا شہر جو شاہراہ خراساں پر دریائے الوند کے کنارے واقع تھا جو دریائے دیالہ کا ایک معاون دریا ہے۔ آج کل اس شہر کو "سرائے پل سحاب" کہا جاتا ہے۔

١٤ قرمیسین۔ حلوان کے مشرق میں ۳۰ فرسخ (۱۸۰ کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع صوبہ الجبال کا ایک اہم شہر۔ یہ کرمان شاہ کی عربی شکل ہے۔ آج کل ایرانی اسے کرمان شاہان کہتے ہیں۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۱۵ **ھمدان** ۔کوہستانی علاقہ میں واقع ہے۔یہ ایک قدیم شہر ہے کوہ الوند کے شمال مشرق میں جو ایران کے وسطی خطے میں مغرب کی جانب ۱۸۰۰ میٹر کی بلندی پر واقع ہے۔

۱۶ **ساوہ** ۔بغداد سے خراساں جانے والے اور قزویں سے قم جانے والے راستوں کے مقام اتصال کا نام ساوہ تھا۔یہ اپنے زمانے میں ایک اہم شہر تھا جہاں چاروں اطراف سے آنے والے قافلے ٹھہرا کرتے تھے۔کارواں سرائے ہونے کے سبب یہ ایک خوش حال شہر تھا۔منگول حملہ آوروں نے اس کو ۶۱۷ھ (۱۲۲۰ء) میں تباہ کر دیا تھا اور اس کی عالیشان لائبریری کو جلا کر خاک کر دیا تھا۔ایران کا موجودہ شہر ساوہ اسی شہر کی جگہ آباد ہے۔

۱۷ **رے** ۔ چوتھی صدی ہجری میں رے ایک بہت بڑا تجارتی مرکز اور مردم خیز شہر تھا۔ ابن فضلان کے اس شہر میں وارد ہونے سے پہلے دیلمیوں، سامانیوں اور علویوں کے درمیان اس شہر پر حکومت حاصل کرنے کے لئے جنگیں ہو چکی تھیں اور یہ شہر کبھی ایک فریق کے اور کبھی دوسرے فریق کے قبضہ میں جاتا رہا تھا۔ جب ابن فضلان یہاں وارد ہوا تو اس پر احمد بن صعلوک کا قبضہ تھا یہ قبضہ اسے المقتدر نے دلوایا تھا۔

رے کا شہر ساوہ سے مشرق کی طرف ۲۴ فرسخ (۱۴۴۔کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا۔اس کے آثار آج بھی تہران کے مضافات میں دیکھے جاسکتے ہیں۔

۱۸ **احمد بن علی صعلوک** ۔ کا بھائی محمد بن صعلوک دیلمی رے کا والی تھا۔ سن ۳۰۴ھ میں آرمینیہ اور آذربائیجان کے والی امیر یوسف بن ابی الساج نے یہ مشہور کر کے کہ خلیفہ المقتدر نے "رے" کی حکومت اس کو دیدی ہے محمد بن صعلوک سامانی کو رے سے بے دخل کر دیا اور دربار خلافت میں المقتدر کے وزیر ابوالحسن ابن فرات کو لکھ بھیجا کہ سابق وزیر علی بن عیسیٰ نے مجھے

قزوین، زنجان اور رے کی حکومت کا پروانہ دیا تھا اور میں نے غاصبوں سے قبضہ بڑی مشکلوں سے واپس لیا ہے۔ابن فرات نے سابق وزیر علی بن عیسیٰ سے تصدیق چاہی تو اس نے انکار کیا۔المقتدر کو امیر یوسف کی یہ جسارت پسند نہ آئی چنانچہ وزیر ابن فرات نے یوسف کو لکھا کہ تمہارا بیان بالکل جھوٹ ہے اور تمہارا قبضہ بالکل غاصبانہ ہے۔ ۳۰۷ھ میں المقتدر کے ایک جنرل مونس نے یوسف کو فوجی طاقت کے ذریعے رے اور دوسرے علاقوں سے بے دخل کر کے محمد بن صعلوک کے بھائی احمد بن صعلوک کو رے کا والی مقرر کیا۔لیکن المقتدر نے ۳۱۰ھ میں امیر یوسف کو دوبارہ رے کی حکومت بخش دی۔۔احمد بن علی صعلوک نے امیر یوسف کی مخالفت کی۔ دونوں میں جنگ ہوئی احمد بن صعلوک گرفتار ہوا۔امیر یوسف نے اس کو قتل کر دیا۔ جب ۳۰۹ میں ابن فضلان رے پہنچا تھا تو احمد بن صعلوک وہاں کا والی تھا اور اس کا بھائی محمد بن صعلوک خوار رے میں مقیم تھا۔

۱۹ **صعلوک** ۔ احمد بن صعلوک کا بھائی۔محمد بن علی صعلوک احمد سے پہلے "رے" کا والی تھا۔آذربائیجان کے والی یوسف بن ابی الساج نے اس کو بزور "رے" کی حکومت سے بے دخل کر دیا تھا۔

۲۰ **خوار رے** ۔ یہ شہر رے کے مشرق میں رے سے ۲۵ فرسخ (۱۵۰۔کلومیٹر) کے فاصلہ رے اور سمنان کے درمیان واقع تھا۔اس کو "رے" خاص سے ممیّز کرنے کے لئے خوار رے کہا جاتا تھا۔چوتھی صدی ہجری میں یہ ایک بڑا شہر تھا۔پھر برباد اور ویران ہو گیا۔آج ارادن نامی بستی کی شکل میں موجود ہے۔

۲۱ **سمنان** ۔ یہ شہر خوار رے سے ۲۲ فرسخ (۱۳۲ کلومیٹر) کے فاصلہ پر سلسلہ کوہ البرز کی جنوبی ڈھلان پر دشت کبیر کے شمالی کنارے پر رے اور دامغان کے درمیان واقع تھا۔ یہ شہر اپنے باغات اور درختوں اور فراوانی آب کے لئے مشہور تھا۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۲۲ **دامغان** ۔ دامغان ایک بڑا شہر تھا اور اس زمانے میں صوبہ قومس کا دارالحکومت تھا۔ یہاں پر باغات بکثرت تھے۔ میوہ جات کی فراوانی تھی شمال مشرق کی جانب کوہ البرز کی جنوبی ڈھلوان پر سمنان سے ۱۷ فرسخ (۱۰۲ کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا۔

۲۳ **داعی**۔ خلیفہ المقتدر کے باپ خلیفہ معتضد کے زمانے میں طبرستان کے والی محمد بن زید علوی خراساں پر قبضہ کرنے کی خواہش میں مارا گیا تھا اور خراساں کے والی احمد بن اسمٰعیل سامانی نے طبرستان پر قبضہ کر لیا تھا۔ علوی خاندان طبرستان پر دوبارہ قبضہ کرنے کی فکر میں تھا۔ اس خاندان کے ایک فرد حسن بن علی الملقب بہ اطروش نے کسی نہ کسی طرح سے ۳۰۱ھ میں طبرستان میں اپنی حکومت قائم کر لی مگر ۳۰۴ میں سامانیوں نے اطروش کو قتل کر دیا۔

اطروش کے قتل کے بعد اس کا داماد حسن بن قاسم المعروف بہ "داعی" جس کو داعی الحق بھی کہا جاتا تھا اس کا جانشین ہوا۔ اس زمانے میں یہ علاقہ جس میں ابن فضلان سفر کر رہا تھا سیاسی طور پر خلفشار کا شکار تھا۔ کہنے کو حکومت تو خلیفہ بغداد کی تھی مگر صوبوں کے والی قریب قریب خودمختار ہو گئے تھے اور اس علاقے میں سامانیوں اور دیلمیوں کے درمیان جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ حسن بن قاسم کو جو ایک بڑے عابد و زاہد بزرگ تھے دیلمیوں کی حمایت حاصل تھی مگر وہ آزاد طبع لوگ تھے۔ مذہب پر سختی سے عمل نہیں کرتے تھے جبکہ حسن بن قاسم ان سے شریعت کی پابندی کرانا چاہتے تھے۔ لہٰذا رفتہ رفتہ دیلمی ان کے خلاف ہو گئے۔ علاقے پر سامانیوں کی حکومت تھی اور حسن بن قاسم اپنے لئے حمایت حاصل کرنے کے لئے جگہ جگہ اپنے داعی بھیجتے رہے تھے۔ چونکہ ابن فضلان اور ان کے دوسرے ساتھی بخارا کے سامانی حاکم نصر

بن احمد کے پاس جا رہے تھے اس لئے ان لوگوں کو خدشہ تھا کہ حسن بن قاسم کے داعی انہیں نقصان پہنچائیں گے لہٰذا انہوں نے حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی شناخت کو چھپائے رکھا۔ حسن بن قاسم اپنے مشن میں کامیاب نہ ہو سکے اور سامانی فوجوں کے خلاف لڑتے لڑتے میدان جنگ میں کام آئے اور اسی کے ساتھ ہی طبرستان میں علویوں کے اقتدار کا خاتمہ ہو گیا۔

۲۴ **ابن قارن**۔ اس کا نام المازیار بن قارن یا العباس بن قارن تھا۔ قبیلہ بنی قارن کا کوئی اہم شخص تھا جو داعی الحق حسن بن قاسم کا نمائندہ بن کر ان کے لئے حمایت حاصل کرنے میں مصروف تھا اور جب ابن فضلان دامغان پہنچا تو یہ صاحب وہاں حسن بن قاسم امداعی کی دعوت لے کر پہنچے ہوئے تھے۔ چونکہ حسن بن قاسم خلیفہ المقتدر کا مخالف تھا اس لئے ابن فضلان کو احتیاط کی خاطر اپنے آپ کو چھپانا پڑا۔ ابن قارن بہت تندخو اور سخت گیر انسان تھا۔ لوگ اس سے نالاں تھے۔ اس کے بھائی فوہیار نے جو اس کی تندخوئی سے بیزار تھا اس کو پکڑوا دیا تھا۔ المقتدر نے اس کو سزا کے طور پر کوڑے لگوائے جس کی تاب نہ لا کر وہ مر گیا۔ رے کا شہر کوہ بنی قارن سے متصل ہے۔ یہاں دریائے تجن کی ایک شاخ کے کنارے شاہزادگان بنی قارن کا "فریم" نامی محل واقع تھا۔

۲۵ **نیشاپور** ۔ خراساں کا بڑا شہر ہے۔ دامغان سے ۷۹ فرسخ (۴۷۴ کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع ہے جب ابن فضلان یہاں پہنچا تو یہاں سامانیوں کی حکومت تھی۔

۲۶ **لیلی ابن نعمان** ۔ دیلمی علویوں کا حامی و طرفدار تھا۔ وہ اطروش کا پیروکار تھا۔ اطروش کی خدمت کی۔ پھر الحسن ابن القاسم الداعی کا ساتھ دیا اور دامغان اور نیشاپور کو فتح کیا۔ طوس کے مقام پر سامانیوں کے خلاف لڑتے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

ہوئے گرفتار ہوا اور ابنِ فضلان کے دامغان پہنچنے سے تھوڑے عرصے قبل ۳۰۹ھ میں قتل کیا گیا۔

۲۷ **حمویہ کوسا**۔ حمویہ بن علی ۳۰۹ھ میں خراساں میں فوج کا سپہ سالار تھا اس سے پہلے وہ ۳۰۱ھ میں سمرقند کا حاکم تھا۔ امیر بخارا سامانی حکمران نصر بن احمد بن اسماعیل جو صغرسنی میں حکمران بن گیا تھا اس کے تخت وتاج کو محفوظ بنانے میں حمویہ بن علی اور الجیہانی کا ہاتھ تھا کہ ان دونوں نے مل کر درباری سازشوں کو ناکام بنایا تھا۔

۲۸ **سرخس**۔ خراساں میں نیشاپور اور مرو کے درمیان واقع ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان چھ منزل کا فاصلہ ہے۔ نیا سرخس ایران اور ترکمانستان کی سرحد پر ایران میں واقع ہے جبکہ قدیم سرخس ترکمانستان میں ہے۔

۲۹ **مرو**۔ یہ شہر سرخس سے تیس فرسخ کے فاصلے پر اور نیشاپور سے ستر فرسخ کے فاصلہ پر وادی مرغاب میں واقع ہے۔ یہ شہر خراساں اور ترکستان میں مسلمانوں کے ابتدائی دور میں فوجوں کا بڑا مرکز ہوا کرتا تھا۔ دسویں صدی عیسوی میں یہ شہر اپنی پارچہ بافی کی مصنوعات کے لئے ساری دنیا میں مشہور تھا۔

۳۰ **قشمهان**۔ یہ قصبہ مرو سے پانچ فرسخ کے فاصلہ پر دشتِ قراقم کے کنارے واقع تھا۔ دشت کو عبور کرنے والے کے لئے آمل آخری بستی تھی۔ مرورِ زمانہ کے ساتھ ریگستان اس کو نگل گیا۔ اب موجود نہیں ہے۔

۳۱ **دشتِ آمل**۔ اس کو آمل جیحون بھی کہا جاتا ہے۔ آمل شہر دریائے جیحون کے مغربی کنارے مرو سے بخارا جانے والے راستہ پر واقع ہے۔ یہاں سے دشت کو عبور کرنے کے لئے ۳۱ فرسخ (۱۸۶ کلومیٹر) سفر کرنا پڑتا ہے۔ آج کل اس جگہ پر ”چارسو“ نامی شہر آباد ہے۔

۳۲ **جیحون**۔ ترک اس کو آمودریا کہتے ہیں۔ اس دریا کے پار کے علاقے کو اہل عرب ماوراء النہر کہتے تھے۔ اسلام سے پہلے ایران والے اس دریا کو ایران وتوران کی سرحد قرار دیتے تھے۔

۳۳ **آفریو**۔ آفریہ یا آفرین یا آفریار یا آفریدین کا شہر آمل سے دشت کو عبور کرنے کے بعد مشرق میں پہلی بستی تھی جو دریائے جیحون کے مشرقی کنارے پر آباد تھی۔

۳۴ **رباط طاهر ابن علی**۔ اس جگہ کو آفریہ بھی کہا جاتا تھا کسی زمانے جب یہ سرحدی علاقہ تھا یہاں پر جہادی فوجوں کے قیام وآرام کے لئے ایک محفوظ قلعہ تعمیر کیا گیا تھا یہ قلعہ طاہر بن علی کے نام سے موسوم تھا۔

۳۵ **بیکند**۔ بیکند دریائے جیحون اور بخارا کے درمیان ایک منزل کی مسافت پر واقع ہے۔ یہ ایک قدیم شہر تھا اور اپنے زمانے کا مشہور تجارتی مرکز تھا۔ آفریہ سے اس کا فاصلہ ۱۲ فرسخ تھا۔ یہ شہر ایک ہزار اور بعض دیگر روایات کے مطابق تین ہزار رباط سے گھرا ہوا تھا۔ اب ویران پڑا ہے۔

۳۶ **بخارا**۔ موجودہ ازبکستان کا شہرۂ آفاق شہر بخارا۔ بیکند سے بخارا کی شہر پناہ کا فاصلہ دو فرسخ (۱۲۔کلومیٹر) تھا۔ قدیم ترین شہروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔ یہ سامانی سلاطین کا پایۂ تخت تھا۔ یہاں سے سمرقند آٹھ دن کی مسافت پر واقع ہے۔ جب ابنِ فضلان یہاں پہنچا تھا تو اس وقت بخارا میں نصر بن احمد سامانی حکمران تھا۔ اسلامی علوم وفنون کے مرکز کے طور پر یہ شہر روس کے اشتراکی نظام کے نفاذ سے پہلے سارے عالم اسلام میں ممتاز تھا اور اس کو ”بخارا شریف“ کہا جاتا تھا۔

۳۷ **الجیهانی**۔ ابوعبداللہ محمد بن احمد الجیہانی خراساں کے سامانی بادشاہ کا وزیر تھا۔ جغرافیہ نگار تھا۔ ”المسالک والممالک“ نامی جغرافیہ کی کتاب اس

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

کی شہرۂ آفاق تصنیف تھی جو اب مفقود ہے۔ اپنے علم و فضل کے باعث اسے شیخ العمید کہا جاتا تھا۔ بخارا کا بادشاہ جو امیر کہلاتا تھا صغر سنی (۸ برس کی عمر) میں تخت پر بیٹھا تھا۔ خراسان میں عرب فوج کے سپہ سالار حمویہ بن علی کی معاونت سے جیہانی نے ہی نصر بن احمد کو تخت پر بیٹھایا۔ اور اس کے نام پر کئی برس حکومت کی۔

۳۸ **الشیخ العمید**۔ یہ ایک تعظیمی خطاب تھا جو سامانی، غزنوی اور سلجوقی سلاطین اعلیٰ افسروں اور قابل تعظیم امیروں اور سرداروں کو عطا کیا کرتے تھے۔

۳۹ **نصر بن احمد**۔ بخارا کا سامانی حکمران۔ نصر اپنے باپ امیر بخارا احمد بن اسماعیل کی وفات کے بعد ۳۰۱ھ (۹۱۴ء) میں آٹھ سال کی عمر میں تخت نشین ہوا۔ لہٰذا ابنِ فضلان کی بخارا میں آمد کے وقت وہ بمشکل ۱۶ یا ۱۷ برس کا ہوگا۔ نصر نے ۳۰۱ھ سے ۳۳۱ھ یعنی کل تیس سال حکومت کی جس میں سے ابتداء کے کئی برس مشہور جغرافیہ داں ابو عبداللہ محمد بن احمد الجیہانی اس کے نام پر حکومت کرتا رہا۔ سامانی حکمران خود مختار تھے مگر خلیفہ وقت سے سند حکمرانی حاصل کرتے تھے۔

۴۰ **ارتخشمیثن**۔ ابوالحسن علی بن محمد بن فرات سابق وزیر المقتدر کی جاگیر تھی۔ یہ اپنے زمانے میں خوارزم کا ایک بڑا شہر تھا۔ جو جرجانیہ کے جنوب میں دو منزل کی مسافت پر واقع تھا۔ ابنِ فضلان کے زمانے میں یہ بڑا خوش حال شہر تھا۔ یہاں کے بازار ہر طرح کی اشیاء سے بھرے ہوتے تھے۔ جب المقتدر نے ۳۰۶ھ میں ابنِ فرات کو دوسری مرتبہ وزارت سے معزول کیا تو اس کی یہ جاگیر بھی ضبط کر لی تھی۔ لیکن غالباً اس کا قبضہ ابھی تک ابنِ فرات کے آدمی کے پاس تھا۔

۴۱ **فضل بن موسیٰ نصرانی**۔ خوارزمی عیسائی تھا۔ اس علاقے میں ابھی

تک عیسائی باقی تھے اور اچھے عہدوں پر فائز تھے۔ ابنِ فرات ایک با اثر امیر تھا۔ ابنِ فضلان کے سفر سے چند برس پہلے اسے معزول کیا گیا تھا مگر چند برس بعد پھر تیسری بار وزیر بننے والا تھا۔ اتنے با اثر اور صاحب منصب آدمی کا وکیل (ناظم) ہونا بذات خود بڑی حیثیت کی بات تھی۔ چنانچہ اپنی حیثیت سے فائدہ اُٹھا کر اس نے سفارتی وفد کے ایک رکن احمد بن موسیٰ کو پکڑوا کر وہ رقم صقالبہ جانے سے روک دی جو احمد بن موسیٰ اپنے ساتھ لایا تھا اور جو بغداد سے سفارت کی روانگی کے پانچ دن بعد چلا تھا اور جس کو پروگرام کے مطابق بخارا میں باقی لوگوں کے ساتھ آ کر مل جانا تھا۔ اس کی گرفتاری کے باعث ابنِ فضلان وہ چار ہزار دینار اپنے ساتھ نہ لے جا سکا جس کا ذکر المقتدر کے خط میں کیا گیا تھا۔

۴۲ **احمد بن موسیٰ الخوارزمی**۔ اس شخص کے بارے میں کچھ معلوم نہیں کہ وہ کون تھا۔ قیاس کہتا ہے کہ وہ حکومت عباسیہ کا کوئی اہل کار تھا۔ چونکہ ابنِ فرات کی جاگیر حکومت نے ضبط کر لی تھی تو اس کا قبضہ کسی سرکاری افسر کے حوالے ہی ہونا تھا۔

۴۳ **سرخس**۔ خراساں میں نیشاپور اور مرو کے درمیان واقع ہے۔ ان دونوں شہروں کے درمیان چھ منزل کا فاصلہ ہے۔ نیا سرخس ایران اور ترکمانستان کی سرحد پر ایران میں واقع ہے جبکہ قدیم سرخس ترکمانستان میں ہے۔

۴۴ **اصل سازش** یہ تھی کہ سفارت کو ناکام بنایا جائے۔ اگر ابنِ فضلان اور اس کی جماعت کو احمد بن موسیٰ کے انتظار میں زیادہ دن ٹھہرا رہنے دیا جاتا تو انہیں معلوم ہو جاتا کہ احمد بن موسیٰ فضل نصرانی کی قید میں ہے اور اس کو چھڑا لیا جاتا اور وہ رقم جو اس کے پاس تھی ابنِ فضلان اپنے ساتھ لے جاتا اور شاہ صقالبہ کے سامنے اسے وہ شرمندگی نہ اٹھانا پڑتی جو چار ہزار

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

دینار شاہ صقالبہ کو نہ دینے کے باعث اٹھانا پڑی۔ فضل نصرانی نے یہ خوف دلا کر کہ اگر وہ جلد روانہ نہ ہوئے تو موسم نامہربان ہو جائے گا اور وہ ترک علاقے میں داخل نہ ہو سکیں گے۔ اس تاخیر کے باعث اس سفارت کے وقت پر صقالبہ نہ پہنچنے کا خدشہ تھا۔ لہٰذا سفارت احمد بن موسیٰ کا انتظار کئے بغیر اگلے سفر کو روانہ ہو گئی۔

۴۵ **خوارزم**۔ خوارزم ایک علاقے کا نام بھی تھا جو ارض خوارزم کہلاتا تھا اور ایک شہر بھی اس نام کا تھا۔ "خوار" کا مطلب گوشت اور "رزم" کے معنی نان (روٹی)= گوشت روٹی۔

۴۶ **غطر یفی درهم**۔ آٹھویں صدی عیسوی کے آخر میں خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں بخارا کے پرانے سکے بازار سے غائب ہو گئے۔ ان کی جگہ خوارزم کے درہم رائج کئے گئے مگر بخارا والوں نے ان کو قبول نہیں کیا اور بخارا کے گورنر غطریف بن عطا الکندی پر زور دیا کہ وہ بخارا کا نیا سکہ جاری کرے جو شکل میں بخارا کے پرانے درہم جیسا ہو جو ۶۳۲ عیسوی میں جاری ہوا تھا اور خالص چاندی کا بنا ہوا تھا۔ چونکہ غطریف کے زمانے میں چاندی مہنگی ہو گئی تھی غطریف نے اہل شہر کے مشورہ سے چھ مختلف دھاتوں یعنی سونا، چاندی، سیسہ، قلعی، لوہا اور تانبا کی آمیزش سے نیا درہم بنایا اور اس کا نام غطریف کے نام پر غطریفی درہم رکھا گیا۔ ابتدا میں سیاہ رنگت کے چھ غطریفی درہم خالص چاندی کے ایک درہم کے برابر تھے۔ رفتہ رفتہ خالص چاندی کا درہم غطریفی درہم کے برابر ہو گیا اور پھر ایک سو نقری درہم ۸۵ غطریفی درہم کے برابر ہو گئے۔

۴۷ **دانق**۔ ایک درہم کے چھٹے حصے کے برابر کا سکہ۔ ایک دانق کا وزن دو قیراط تھا۔

۴۸ **فرسخ**۔ ایک فرسخ ۵٫۹۸۰ کلومیٹر کے برابر ہوتا ہے۔

۴۹ **محمد بن عراق خوارزم شاہ**۔ خوارزم کے حکمرانوں کا لقب قبل از اسلام بھی خوارزم شاہ ہوتا تھا اور اسلام کے بعد بھی وہاں کے گورنر اور امیر خوارزم شاہ کہلاتے تھے۔ محمد بن عراق خود مختار امیر نہیں تھا بلکہ وہ خوارزم کا والی (گورنر) تھا۔ آگے چل کر تیرہویں صدی میں خوارزم ایک وسیع آزاد و خود مختار سلطنت بن گئی جس کو چنگیز خان نے تباہ کر دیا تھا۔

۵۰ **جرجانیہ یا جرجان یا گرجان**۔ ابن فضلان کے زمانے میں جرجانیہ ایک بہت بڑا شہر تھا۔ بہت بڑا تجارتی مرکز تھا۔ مشرقی یورپ کو جانے والے تجارتی کارواں یہیں سے روانہ ہوا کرتے تھے۔ تجارتی گہما گہمی کے باعث یہاں کے لوگ خوش حال تھے۔ اس کے عروج کا زمانہ وہ تھا جب سلطنت خوارزم کے حکمران نے جو خوارزم شاہ کہلاتے تھے اس کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ چنگیز خان نے اس خوبصورت شہر کو تباہ کر دیا تھا۔ اس کی جگہ اب ترکمانستان کا شہر "کنیہ ارگنچ" (Kunya Urgench) آباد ہے۔

۵۱ **طازجہ**۔ خوارزم کا ایک پرانا سکہ جو اسلامی دور میں بھی زیر استعمال رہا۔

۵۲ **کعاب**۔ سکوں کا کاروبار کرنے والے موجودہ دور کے منی چینجر مختلف اقسام کے سکوں کا لین دین کرنے کے ساتھ ساتھ چوسر اور اسی قسم کے دوسرے کھیلوں میں استعمال ہونے والے مہرے اور بچوں کے کھلونے بھی بیچا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس علاقہ میں جوا بہت کھیلا جاتا تھا۔

۵۳ **اردکو**۔ یہ بستی جرجانیہ سے جنوب کی جانب نیشاپور کو جانے والے راستے پر واقع تھی۔

۵۴ **وھم یتبرون من امیرالمومنین (علی بن ابی طالب) رضی اللہ عنہ**

۵۵ **زمهریر**۔ انتہائی شدید سردی۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۵۶ تاغ۔ ایندھن کے طور پر استعمال ہونے والی لکڑی۔

۵۷ رطل۔ ناپ تول کا پیمانہ جو ۱/۲ سیر کے برابر ہوتا تھا۔ اس حساب سے تقریباً ۳۷ یا ۳۸ من سوختنی لکڑی کی قیمت صرف دو درہم تھی۔

۵۸ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ جرجانیہ میں لوگ اپنے گھروں کے دروازے کھلے رکھتے تھے اور ضرورت مند باہر کھڑا ہو کر آواز لگانے کی بجائے گھر کے اندر گھس جاتا تھا۔

۵۹ یہ علاقہ قریب قریب ۴۵ عرض البلد پر واقع ہے۔ اس منطقے میں شدید سردی پڑتی ہے۔ پاکستان میں جہاں درجہ حرارت صفر ڈگری سے شاذ ہی نیچے جاتا ہے بہت سے لوگ سردی سے اکڑ کر مر جاتے ہیں' علاقہ زیر نظر میں تو درجہ حرارت نقطہ انجماد سے کہیں نیچے ہوتا ہے۔

۶۰ زیادہ ٹھنڈک بھی گوند کا کام دیتی ہے۔ مشہور جغرافیہ نویس یاقوت حموی نے اس علاقہ کا دورہ کرنے کے بعد لکھا تھا کہ میرے قلم کی سیاہی جم گئی اور پانی ہونٹوں پر چپک کر رہ گیا۔ غالباً یہ مبالغہ ہو لیکن سرد علاقوں میں ایسا ہوتا ہے۔

۶۱ مٹی کے گھڑے میں اگر پانی جم جائے تو گھڑا یقیناً پھٹ جاتا ہے۔ شیشے کے برتن میں بھی برف جم جانے سے برتن ٹوٹ جاتا ہے۔

۶۲ کچھ درخت ہوتے ہیں جو سردی کی شدت سے ٹوٹ جاتے ہیں۔ لیکن ان سرد علاقوں میں بالعموم جو درخت ہوتے ہیں وہ سردی کو برداشت کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

۶۳ عربی۔ متن میں ''المکسوذ'' ہے۔ بھیڑ کا بے ہڈی والا گوشت۔ اس گوشت کو اس کی چربی میں پکا کر سرخ کر لیتے ہیں اور حسب ذائقہ نمک لگا کر رکھ لیتے ہیں اور موسم سرما میں اس کو استعمال کرتے ہیں۔

۶۴ قرطق۔ کرتا

۶۵ جلیقہ۔ کفتان یا خفتان

۶۶ سروال۔ شلوار۔ فارسی لفظ شروال کا معرب جمع سراویل

۶۷ بغداد سے جرجانیہ تک کا سفر انہوں نے تنہا کیا۔ جرجانیہ سے آگے کا سفر کاروان کے ساتھ کیا۔ یہ کاروان تجارت تھا جس میں ہزاروں افراد جن میں تاجر اور ان کے کارندے شامل تھے اور اتنی یا اس سے بڑی تعداد میں گھوڑے اور اونٹ تھے جن پر مال تجارت لدا ہوا تھا۔

ابن فضلان کے اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ سفارت میں صرف پانچ آدمی باقی رہ گئے تھے۔ ایک وہ خود' ایک سفیر الرسی' سفیر کا برادر نسبتی' تکین اور بارس۔ اس سے پہلے سفیر کے برادر نسبتی کا کہیں ذکر نہیں ہوا۔

۶۸ مسیبیہ یا مسیبی دینار۔ یہ سکہ اسلامی دور میں ڈھالا گیا تھا۔ اس کا اجراء ماوراء النہر کے ایک افسر محمد مسیّب نے خلیفہ المہدی (۱۵۸ تا ۱۶۹ھ مطابق ۷۷۵ تا ۷۸۵ء) کے دور میں کیا تھا۔

۶۹ ۴ مارچ ۹۲۲ء

۷۰ زمجان ایک قلعہ جو اُست یُورت کی ڈھلان پر واقع بہت سے قلعوں میں سے ایک قلعہ۔ اس کے بارے میں معلومات موجود نہیں۔

۷۱ جیت یہ بستی دریائے جیحون کے بائیں کنارے جرجانیہ کے شمال میں پہاڑ کے قریب واقع تھی۔ اس بستی کے بعد وہ میدانی علاقہ شروع ہوتا ہے جو غز یا اوغوز ترک قبیلہ کا مسکن تھا۔ اس زمانے میں یہاں بھی ایک قلعہ تھا۔ جرجانیہ سے اس کا فاصلہ ۱۲ فرسخ (۷۲ کلومیٹر) تھا۔

۷۲ غز۔ ترکوں کا ایک بڑا قبیلہ جس کو تغز غز اور اوغوز بھی کہا جاتا ہے۔ اس میں

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۲۵ ذیلی قبائل شامل تھے۔ یہ قبائل خوارزم کی سرحد سے والگا کے علاقے تک پھیلے ہوئے تھے۔ ''حدود العالم'' کے مطابق غز لوگ مغرور، جھگڑالو، حاسد اور بدذات (شوخ رو، ستیزہ کار، حاسد، بدرگ) ہوتے ہیں۔ سردی اور گرمی دونوں موسموں میں چراگاہوں اور سرسبز میدانوں (چراگاہ و گیا خوار) میں ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کرتے رہتے ہیں۔ گھوڑے، گائے، بھیڑیں، اسلحہ اور شکار ان کی دولت ہے۔ ان میں بے شمار تاجر ہیں۔ غز لوگ حکیموں کی بے حد عزت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں کوئی شہر نہیں ہے بلکہ یہ نمدے سے بنے ہوئے خیموں میں رہتے ہیں۔ یہ لوگ بڑے جرات مند اور جی دار ہیں۔ ان کے ہر قبیلہ کا سردار الگ ہوتا تھا جس کو یبغو کہتے تھے۔ ابتدا میں غز یا اوغوز اسلام اور مسلمانوں کے بے حد مخالف تھے۔ مگر تجارتی روابط بڑھنے کے باعث وہ مسلمانوں کے زیر اثر آنے لگے۔ ان میں سے جو مسلمان ہو جاتا غز اس کو ترکمان کہتے تھے۔ رفتہ رفتہ غزوں میں مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی اور مسلمان اور غیر مسلمان غزوں کے درمیان جنگیں ہونے لگی یہاں تک کہ مسلمان ترکمانوں نے غیر مسلم غزوں کو اس علاقے سے نکال کر بحیرہ اسود کے کنارے دھکیل دیا۔ انہیں ترکمانوں میں سے محمود غزنوی جیسے لوگ پیدا ہوئے۔

۷۳ ابنِ فضلان کے اس بیان سے مترشح ہوتا ہے کہ غز لوگ خدائے واحد پر ایمان رکھتے تھے۔

۷۴ اسلام سے پہلے عرب میں بھی یہی دستور تھا۔ دنیا کے بہت سے قبائل میں ایسا ہوتا تھا۔

۷۵ حجاب اس طرح کا نہیں جس طرح کا مسلمان عورتیں پہنتی ہیں بلکہ سردی سے بچنے کے لئے سر کو ڈھانپنے کے لئے۔

۷۶ مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی تاجر جو قافلے کے ساتھ اس علاقے میں آتا اور کسی وجہ سے اسے پیسے کی ضرورت پڑ جاتی تو ترک میزبان اس کو قرض دے دیتا تھا اور تاجر واپسی پر اس کا قرض اُتار دیتا تھا۔

۷۷ ترک اپنے قرضہ کی رقم سے زیادہ رقم نہیں لیتا مگر کاروان میں شامل دوسرے تاجروں سے کچھ نہ کچھ لے لیتا تھا۔

۷۸ ترکوں میں لواطت کو بہت بُرا سمجھا جاتا تھا۔ اس کی سزا موت تھی۔ منگول بھی لوطی کو موت کی سزا دیتے تھے۔

۷۹ ینال خورد۔ ترکوں کا ایک عہدہ۔ اسے خاقان بہ یا خاقان کا نائب یا خاقان کا نمائندہ بھی کہا جاتا تھا۔

۸۰ ابنِ فضلان سے پہلے جو لوگ اس علاقے سے گزرتے رہے تھے وہ تاجر تھے۔ سفارتی نمائندے نہیں تھے۔ یہ پہلا موقعہ تھا کہ دربارِ خلافت کا سفیر اس علاقے سے گزرنا چاہتا تھا۔ چونکہ مسلمانوں اور ترکوں کے تعلقات ٹھیک نہیں تھے۔ ترک قبائل مسلمان علاقوں میں آ کر لوٹ مار کر کے چلے جاتے تھے۔ صرف تجارتی قافلوں کو امن کے ساتھ گزرنے دیتے تھے بلکہ ان کی حفاظت کرتے تھے اور اس کے عوض انہیں معاوضہ ملتا تھا۔ سرکاری نمائندے کا گزر کر ان لوگوں کے پاس جانا جن سے ترکوں کی لڑائی ہوتی رہتی تھی شکوک و شبہات پیدا کرنے والی بات تھی۔

۸۱ بالی باف، بی باف یا بی تاف یا بالی تاف، پائیے باف بنا ہوا کپڑا، عورتوں کا مخصوص لباس جو پاؤں میں پہنا جاتا تھا۔ غالباً موزہ۔

۸۲ ترکوں میں یہ رواج عام تھا کہ اظہارِ ممنونیت کے لئے وہ احسان کرنے والے کو سجدہ کرتے تھے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۸۳ **ابن فضلان** کا بیان دل کو نہیں لگتا۔ ایک نجان شخص جس کے بارے میں معلوم نہیں کہ وہ کون ہے اور اس کی حیثیت کیا ہے رُکنے کا حکم دیتا ہے اور تین چار ہزار افراد پر مشتمل کاروان رُک جاتا ہے اور وہ صرف روٹی لے کر جانے کی اجازت دے دیتا ہے۔ مسخرہ پن لگتا ہے۔ پھر اس کا یہ بیان بھی دل کو نہیں لگتا کہ قافلے میں تین ہزار چوپائے اور پانچ ہزار مرد شامل ہیں جبکہ معاملہ الٹ ہونا چاہیے۔ کاروان میں مردوں کی تعداد کم اور جانوروں کی تعداد زیادہ ہونی چاہیے کیونکہ چوپائے (اونٹ اور گھوڑے) سواری کے علاوہ مالِ تجارت اُٹھانے کے لئے بھی درکار ہوتے ہیں۔ لہٰذا سمجھنا یہ چاہئے کہ کاروان میں تین ہزار افراد اور پانچ ہزار جانور ہوں گے۔

۸۴ **ترکوں** میں رواج تھا کہ وہ اپنی داڑھی کے بال استرے سے صاف کرنے کی بجائے نوچ نوچ کر صاف کیا کرتے تھے۔ اس کام کے لئے ہر مرد کے پاس ایک موچنا اور ایک آئینہ ہوتا تھا جس کی مدد سے وہ اپنے بال نوچا کرتے تھے۔

۸۵ **ینغو** ایک قبیلہ کا نام بھی تھا مگر بالعموم قبیلہ کے سردار کو ینغو کہا جاتا تھا۔ اتحاد میں شامل قبائل کے بادشاہ کو خاقان کہا جاتا تھا جبکہ ینغو اپنے قبیلہ میں خاقان کا نمائندہ سمجھا جاتا تھا۔

۸۶ **اترک بن القطغان** ۔ ترکی نام کتگان کا معرب۔ اس علاقے میں ترک فوج کا سپہ سالار تھا۔ یہ فوج باقاعدہ فوج نہیں تھی بلکہ وقتِ ضرورت لوگ رضا کارانہ طور پر شریک ہو جاتے تھے۔ فتح کی صورت میں لوٹ مار کرتے اور جو کچھ ہاتھ لگتا وہی ان کا معاوضہ ہوتا تھا۔

۸۷ **مقنعہ** ۔ سر پر اوڑھنے والی چادر۔ ترکوں اور تاتاریوں میں رواج تھا کہ ان کی عورتیں سر کو ڈھانپنے کے لئے چادر اوڑھتی تھیں۔

۸۸ **غاز** ۔ اس کو قاز بھی کہتے ہیں لمبی ٹانگوں اور لمبی گردن والا آبی پرندہ عربی میں اس کو کراکی کہتے ہیں۔

۸۹ **چونکہ** ترک اجتماعی نوعیت کے تمام فیصلے مشاورت کے ذریعے، تفاقِ رائے سے کرتے تھے اس لئے اترک نے ان لوگوں کو بلایا جو رُتبے میں اس سے کمتر تھے مگر سردار تھے اور ان سے مشورہ کیا۔

۹۰ **خزر** ۔ یوریشیا کے علاقے کی ایک بڑی قوم جو کئی صدیوں تک بحیرہ خزر (Caspian Sea) جو اس قوم کے نام منسوب ہے اور بحیرہ اسود کے درمیانی علاقے کی بڑی طاقت تھی۔ اس کا حال آگے آئے گا۔

۹۱ **غز** ترکوں اور خزروں کے درمیان کچھ عرصہ قبل جنگ ہوئی تھی جس میں خزروں نے بہت سے ترکوں کو قیدی بنا لیا تھا۔ اور ابنِ فضلان کی آمد تک یہ ترک خزروں کی قید میں تھے۔

۹۲ **یغندی یا یاغندی** ۔ موجودہ زمانے کا دریائے زے اندی Zayundi دریائے امبا کا معاون دریا۔

۹۳ **باشکرد** ۔ ترکوں کا ایک قبیلہ جو دریائے ولگا کے وسطی حصے میں آباد ہے۔ ابنِ فضلان نے باشکرد ترکوں کو شریر ترین اور گندے اور انتہائی ظالم بتایا ہے۔ باشکرد ترکوں کی نیم آزاد ریاست آج روسی وفاق میں شامل ہے۔ ابنِ فضلان کے زیرِ نظر نسخہ کی دریافت کا سہرا ایک باشکرد ترک احمد ذکی ولیدی طوغان کے سر ہے۔

۹۴ **اس علاقے** میں کئی دریا ہیں۔ ان کے پرانے اور نئے نام یہ ہیں۔

پرانا نام	نیا نام
جام	امبا (Emba)

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

خاجش ساغیز (Sagiz)

اُذِل یورل (Uil)

اردن کچھ کے نزدیک ''زاکیسائی'' (Zagsibay) کچھ کے نزدیک'' کالداگاتی'' (Kaldagayty)

ارش کچھ کے نزدیک "کاسداگائی" اور کچھ کے نزدیک "اولینتی" (Olenty)

اختی آتی سائی

وتبا یا وبا ''بلدرتی'' (Bulduty) جو دریائے یورال کی ایک شاخ ہے

۹۵ **پیچناگ** ۔ترکوں کا ایک قبیلہ جو ابتداً عرّ علاقے میں دریائے والگا کے کنارے اور دریائے یورال کے درمیانی علاقے میں رہتا تھا مگر ۸۹۳ء میں غزوں اور خزروں نے مل کر ان کو وہاں سے نکال کر والگا کے علاقے سے بے دخل کر دیا۔ یہی وجہ تھی کہ ابن فضلان نے ان لوگوں کو غربت کی حالت میں پایا۔

۹۶ **جیخ**۔آج کل اس کو دریائے یورال کہتے ہیں۔

۹۷ **جاخا یا گاخا**۔دریائے یورال کا معاون دریا جو دائیں جانب سے آ کر ملتا ہے جس کو آج کل ''گاگان'' کہا جاتا ہے۔

۹۸ **ارخز**۔شاید دریائے'' تانفوکا'' تھا جو یورال، اور والگا کے درمیان بہتا تھا۔

۹۹ **باجاغ** دریائے والگا کی ایک شاخ ہے دریائے سمور کا موجودہ نام سمار ہے۔

۱۰۰ **سمور**۔دریائے سمار جو موجودہ تاتارستان میں واقع ہے۔

۱۰۱ **دریائے کنال** کو اب کینل کہتے ہیں۔

۱۰۲ **سوخ** کو اب بھی سوخ کہا جاتا ہے جو بائیں جانب سے دریائے والگا میں آ کر گرتا ہے۔

۱۰۳ **کنجلو** آج کا دریائے کندورشا جو دریائے سوخ کا ایک معاون دریا ہے۔

۱۰۴ **باشکرد باشغرد یا باشگرد**۔ترکوں کی ایک شاخ جو دریائے والگا کے وسطی حصے میں آباد ہیں بعض اہل علم باشکرد کو مجار (ہنگری) (عربی المجغر) قوم کا حصہ بتاتے ہیں جو شمالی قفقاز سے نقل مکانی کر کے شمالی علاقوں میں آباد ہوئے۔لیکن ترک محققین کا دعویٰ ہے کہ باشکرد ترک ہیں۔ یہ لوگ بلغار (مقالبہ) کے ہمسایہ میں رہتے تھے۔مجری آتش پرست تھے۔ بلغاروں اور روسیوں سے لڑتے رہتے تھے۔یہی مجر مغرب کی طرف ہجرت کرتے کرتے وسطی یورپ تک جا پہنچے جہاں آج ہنگری کی ریاست میں آباد ہیں۔

۰۵ **عضو تناسل** کی پوجا کئی قوام میں رائج رہی ہے۔قدیم یونان اور اٹلی میں لنگ دیوتا کی پوجا کی جاتی تھی۔لیکن جتنی خشوع وخضوع کے ساتھ ہندوستان میں ہندو مذہب کے ماننے والے شیولنگ کی پوجا کرتے ہیں اتنی شدت کے ساتھ کسی اور قوم میں نہیں کی جاتی۔ ہندو عقیدے کے مطابق تو دیوتا یعنی برہما اور وشنو بھی شیولنگ کی پوجا کرتے ہیں۔ اور ان دونوں دیوتاؤں کا فرمان ہے کہ ہر عورت ومرد پر لازم ہے کہ وہ بھی اس کی پوجا کریں۔لہٰذا ہندو ہی نہیں بدھ مندروں میں لنگ کی پوجا کی جاتی ہے۔

۱۰۶ عربی متن میں'' الکراکی'' استعمال ہوا ہے۔اس کو قِ ق بھی کہتے ہیں' قازیہ کونج بھی۔ یہ ایک آبی پرندہ ہے۔اس کی ٹانگیں لمبی ہوتی ہیں اور گردن دراز ہوتی ہے۔اس کی چیخ بہت تیز ہوتی ہے۔

۱۰۷ دریائے جرمشان۔موجودہ نام دریائے کرمشان (Chirmsan)

۱۰۸ دریائے اوزان۔موجودہ نام دریائے یورین (Uren)

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۰۹ دریائے اورم ۔موجودہ نام دریائے اوریم یا یوریم (Urem)

۱۰ دریائے بایناخ ۔موجودہ نام دریائے ماینا (Mayna)

۱ دریائے وتیغ ۔موجودہ نام دریائے اُتکا (Utka)

۱۱۲ دریائے نیاسنہ۔موجودہ نام نیا سوئکا

۱۱۳ جاوشیر ۔موجودہ نام گاؤشرہ جو دریائے کاما کا ایک چھوٹا سا معاون دریا ہے۔ یہی وہ دریا ہے جس کے کنارے ابن فضلان نے شاہ صقالبہ سے ملاقات کی تھی۔

۱۱۴ مطابق ۱۲۔مئی ۹۲۲ء

۱۱۵ جو جائیہ سے بلغار پایۂ تخت ستر فرسخ (۴۲۰ کلومیٹر) کے فاصلہ پر واقع تھا ابن فضلان نے یہ فاصلہ ستر دن میں طے کیا۔روزانہ اوسطاً چھ کلو میٹر سفر کرتا تھا۔

۱۱۶ "حتی جمع الملوک و القواد و اهل بلده"

۱۱۷ سیاہ رنگ عباسیوں کا نشان تھا۔ان کا علم بھی سیاہ رنگ کا تھا

۱۱۸ حامد بن العباس خلیفہ المقتدر کا ۳۰۴ھ تا ۳۱۱ھ (۹۱۸ تا ۹۲۳ء) وزیر تھا۔ اسی کے دورِ وزارت میں سفارت بھیجی گئی تھی۔ حامد بن عباس کے بارے میں مورخین نے لکھا ہے کہ حامد بن عباس کوئی اہل وزیر نہ تھا۔وہ شان وشوکت کا دلدادہ تھا۔اس کے مزاج میں تندی اور سختی تھی۔وہ بڑی جلدی غیظ و غضب میں آ جاتا تھا۔بڑی سنگ دلی سے روپیہ بٹورتا تھا۔بہت بدعنوان تھا مگر اس کی فیاضی اور داد و دہش نے اس کے عیوب پر پردہ ڈال رکھا تھا۔اس کے سارے کام ایک سابق وزیر علی بن عیسیٰ کرتا تھا جبکہ حامد بن عباس جو ایک بہت بڑا تاجر تھا اپنے کاروبار میں مصروف رہتا تھا۔وہ وزارت کو صرف اپنے

کاروبار کے لیے استعمال کرتا تھا۔

خلیفہ المقتدر ۲۵ برس تک برسر اقتدار رہا۔اس کا زمانہ شورشوں اور بغاوتوں کا زمانہ تھا۔اس کے دورِ خلافت میں یکے بعد دیگرے تیرہ امراء وزارت کے عہدے پر فائز رہے۔جن میں بعض وزیر کا عہدِ وزارت چند ماہ سے زیادہ نہ تھا۔وزیروں کے نام یہ ہیں۔

(۱) عباس بن حسن۔اس نے المقتدر کو خلیفہ بنایا۔

(۲) ابوالحسن علی بن فرات (ربیع الاول ۲۹۶ھ تا ذوالحجہ ۲۹۹ء)

(۳) ابوعلی محمد بن عبیداللہ بن یحییٰ

(۴) علی بن عیسیٰ (۳۰۰ھ-۳۰۴ھ)

(۵) ابوالحسن علی بن فرات (۳۰۴ تا ۳۰۶ھ)

(۶) حامد بن عباس ۳۰۶ھ تا ۳۱۱ھ

(۷) ابوالحسن علی بن فرات ۳۱۱ھ تا ۳۱۲ھ

(۸) بوعلی محمد بن عبیداللہ

(۹) ابوالعباس احمد بن عبیداللہ بن احمد بن خصیب۔ ۳۱۴ھ میں معزول ہوا

(۱۰) ابوعلی محمد بن علی بن مقلہ ۳۱۴ھ میں معزول ہوا۔

(۱۱) ابوالقاسم سلیمان بن حسن بن مخلد

(۱۲) عبیداللہ بن محمد کلوواذی

(۱۳) حسین بن قاسم بن عبداللہ بن سلیمان ۳۱۹ میں معزول

(۱۴) ابوالفضل جعفر بن فرات ۳۲۰ ہجری میں المقتدر کے قتل تک وزیر رہا۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

۱۱۹ ترکوں کی طرح بلغاروں میں بھی پردہ کا رواج نہیں تھا۔ ملکہ بادشاہ کے برابر میں تخت پر بیٹھتی تھی اور عمائدین کی بیگمات مجلس میں مردوں کے شانہ بشانہ شریک ہوتی تھیں۔ چنانچہ جب ابنِ فضلان نے ملکہ کو خلعت پہنائی تو دربار میں موجود عورتوں نے نعرہ ہائے تحسین بلند کئے اور اس پر روپوں کی بارش کی۔

۱۲۰ مہمانوں پر پھولوں اور پیسوں کی بارش کرنے کا رواج بہت قدیم ہے۔ دنیا کے قریب قریب تمام پرانی تہذیبوں میں اس کا رواج رہا ہے۔ پاکستان میں خوشی کے موقعوں خاص کر شادی بیاہ کے موقعہ پر آج بھی روپیہ پیسہ نچھاور کیا جاتا ہے۔

۱۲۱ الدیباج الرومی ۔ایک ریشمی کپڑا تھا جو چوتھی صدی ہجری میں بہت مشہور تھا۔ یہ کپڑا بازنطینی علاقوں میں بنا کرتا تھا اور اسلامی ملک اسے درآمد کیا کرتے تھے۔

۱۲۲ اس دعوت میں صرف ایک ہی کھانا تھا یعنی گوشت۔ گوشت غالباً بھنا ہوا تھا کہ جس کے قتلے کرکے مدعوئین میں تقسیم کیا گیا۔

۱۲۳ شراب العسل۔ عربی میں شربت کو شراب کہتے ہیں۔ شراب کے لئے ''خمر'' کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے یہ شربت شہد سے بنایا جاتا تھا۔ نبیذ کی طرح یہ بھی مفرح مشروب تھا۔ یہ شربت شہد میں خمیر اٹھا کر بنایا جاتا تھا اور اس کے بنانے میں ایک دن اور ایک رات کا عرصہ لگتا تھا۔ چونکہ بلغار علاقے میں جنگلوں کی بہتات تھی وہاں پر شہد کی مکھیاں بھی بے شمار تھیں۔ چنانچہ شہد بھی بڑی مقدار میں پیدا ہوتا تھا۔ مسلمان اس علاقے سے بڑی مقدار میں شہد درآمد کیا کرتے تھے۔ شراب العسل غالباً نشہ آور شربت نہیں تھا' کیونکہ اگر یہ نشہ آور ہوتا تو ابنِ فضلان جیسا معلم اور فقیہ نہ یہ کہ اس کو خود

نہیں پیتا بلکہ بادشاہ کو بھی نہ پینے کی تلقین کرتا کیونکہ وہ ایک معلم و فقیہ کی حیثیت سے بلغارستان گیا تھا۔

۱۲۴ ابنِ فضلان کی آمد سے پہلے خطبہ میں دعا کی جاتی تھی کہ ''اے اللہ شاہ بلغار یلطوار کو نیک و صالح بنا'' اس میں ترمیم کرکے ابنِ فضلان نے یوں کر دیا ''اے اللہ اپنے بندے جعفر بن عبداللہ امیر بلغار و مولیٰ امیر المومنین کو نیک و صالح بنا''

۱۲۵ المقتدر کے ایک سابق وزیر ابوالحسن علی بن فرات کی ایک جاگیر خوارزم کے علاقے میں واقعہ شہر ارثخشمین میں تھی۔ المقتدر نے اس کو ضبط کرکے اس کی آمدنی کو بلغار سفارت کے لئے مختص کر دیا تھا اور امیر بخارا کو ہدایت کی تھی کہ اس جائیداد کا قبضہ ابن فرات کے منتظم فضل بن موسیٰ نصرانی سے لے کر احمد بن موسیٰ کو دے دیا جائے اور انتقال جائیداد کی رسید بھی احمد بن موسیٰ کو دے دی جائے۔ احمد بن موسیٰ چار ہزار دینار کی وہ رقم لے کر بغداد سے بخارا آ رہا تھا جو المقتدر نے مسجد و منبر اور قلعہ اور دیگر دفاعی تنصیبات کے لئے شاہ صقالبہ کو عنایت کی تھی۔ فضل بن موسیٰ نصرانی نے جو علاقہ کا ایک بااثر شخص تھا احمد بن موسیٰ کو گرفتار کرا دیا اور اس طرح ابن فضلان وہ رقم اپنے ساتھ لینے سے محروم رہا۔ جس سے شاہ صقالبہ کے سامنے سفارت کاروں کو شرمندگی اٹھانا پڑی۔

۱۲۶ اس وقت سیاسی صورتِ حال یہ تھی کہ خزر خاقان بہت طاقتور تھا، اور اس نے پاس پڑوس کی چھوٹی چھوٹی اور کمزور قوموں کو باج گزار بنا رکھا تھا اور اپنے باج گزاروں کے ساتھ اس کا رویہ ایسا تھا جیسا کہ وہ اپنے غلاموں کے ساتھ روا رکھتا تھا۔ خاقان نے المش کے ایک بیٹے کو بطور یرغمال اپنے پاس رکھا ہوا تھا۔ صقالبہ کی ایک شہزادی کو زبردستی اٹھا کر لے گیا تھا

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

جس نے خاقان کے محل میں جا کر خودکشی کر لی تھی کیونکہ وہ مسلمان تھی اور خاقان یہودی تھی۔ شاہ صقالبہ غلامی کے جوئے اپنی گردن سے اُتار پھینکنا چاہتا تھا اور اسی غرض سے اس نے امیر المومنین سے امداد کی درخواست کی تھی جو اُسے نہ پہنچ سکی۔

۱۲۷ **ابن فضلان** بھی عرب نہیں تھا وہ ایک ممتاز اور با اثر امیر محمد بن سلیمان کا غلام تھا جس نے اس کو آزاد کر دیا تھا۔ محمد بن سلیمان نے المقتدر کے بھائی خلیفہ مکتفی باللہ کے زمانے میں بڑا عروج پایا تھا۔ اس نے شام میں قرامطہ کی شورش اور مصر میں طولونی حکومت کو ختم کر کے عباسیوں کے اقتدار کو مستحکم بنایا۔ المقتدر کے زمانے میں بھی اس نے کئی مہمات کی قیادت کی۔ مگر رے میں صعلوک کی بغاوت کو فرو کرنے میں کام آیا۔ محمد بن سلیمان ابن فضلان کی روانگی سے بہت پہلے وفات پا چکا تھا۔ بظاہر ابن فضلان کی عربی دانی اور اس کے علم و فضل کے باعث اس کو عرب سمجھتا ہوگا۔

۱۲۸ **اللہ** ان کا مددگار ہو

۱۲۹ **غالباً** اس کی راست گوئی کے باعث بادشاہ ابن فضلان کو اصدیق کہنے لگا تھا۔

۱۳۰ **یہاں** قدرے مبالغہ سے کام لیا ہے۔ مغرب اور عشاء کی نماز کے درمیان وقفہ یقیناً بہت کم ہوتا ہے خاص کر شمالی منطقے میں مگر اتنا بھی کم نہیں ہوتا کہ پانی بھی گرم نہ ہو سکے۔

۱۳۱ **شمالی** منطقے میں غروب آفتاب کے بعد بھی کافی دیر تک اُجالا رہتا ہے۔ انگلستان اور شمالی یورپ کے ملکوں میں رات کے دس ساڑھے دس بجے تک اُجالا رہتا ہے جس میں قدرے دور تک کی چیزیں نظر آ جاتی ہیں۔

۱۳۲ **فنی** (Finnish) نسل کے لوگ جو بلغاروں کے شمال مغرب میں بیلوئے

جھیل کے قریب رہتے تھے۔ بیلوئے جھیل سینٹ پیٹرز برگ کے مشرق میں واقع ہے۔ شاہ صقالبہ نے اپنے شہر سے ویسو تک کا فاصلہ تین ماہ کی مسافت بتایا تھا جو تقریباً کوئی ساڑھے پانچ سو کلومیٹر بنتا ہے۔ بعض ماہرین کا خیال ہے کہ ویسو وہ لوگ تھے جو آج سفید روسی Bielo Russe کہلاتے ہیں۔

۱۳۳ **اتل** کا شہر دریائے والگا کے کنارے آباد تھا۔ یہ خزر حکومت کا مرکز تھا۔ خزر خاقان اسی شہر میں رہتا تھا۔

۱۳۴ **ابن فضلان** کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ بلغار علاقے میں سانپ بہت ہوتے تھے اور لوگ ان کی موجودگی سے مانوس تھے جبکہ اس زمانے میں بہت سی قوموں میں سانپ کی پوجا کی جاتی تھی۔ ہندو مذہب کی رو سے سانپ "ناگ دیوتا" ہے۔

۱۳۵ **املیسی انار** میں دانہ نہیں ہوتا۔ بے دانہ انار۔

۱۳۶ **بُندق یا فندق یا ہیزل درخت** ۔ چھوٹے قد کا ہوتا ہے جس میں صنوبر وغیرہ کی قسم کے غنچے یا پھول لگتے ہیں۔ اور بادامی سرخی مائل گری دار میوہ پیدا کرتا ہے۔ یہ درخت ایشیا یورپ اور امریکہ میں پایا جاتا ہے ہیزل کو یورپی اخروٹ بھی کہتے ہیں۔

۱۳۷ **غالباً** برچ (Birche) یا Coniferous قسم کے درخت جو اس خطے میں پائے جاتے ہیں۔ چونکہ یہ درخت سرد علاقوں میں ہوتے ہیں یا پانچ ہزار فٹ سے بلند پہاڑوں پر پائے جاتے ہیں اس لئے ابن فضلان کے لئے یہ نادیدہ تھے۔ لیکن ان درختوں سے رس یا رقیق مادہ نہیں نکالا جاتا۔ اس علاقے میں میپل کے درخت بھی پائے جاتے ہیں جن سے رقیق مادہ نکالا جا سکتا ہے جو نہایت شیریں ہوتا ہے اور جس سے شکر بنائی جاتی ہے۔

۱۳۸ **بلغارستان** زرخیز علاقہ تھا یہاں پر لوگ کاشتکاری کرتے تھے، ور جو باجرہ

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

اور گندم کی فصلیں اُگاتے تھے۔ زرعی پیداوار میں بادشاہ کا کوئی حصہ نہیں ہوتا تھا یعنی یہاں پر کاشتکاروں سے کوئی ٹیکس نہیں لیا جاتا تھا۔ البتہ ہر گھر سال میں ایک سمور بادشاہ کی نذر کرتا تھا یا بطور ٹیکس بادشاہ کو دیتا تھا مگر جنگ کی صورت میں ملنے والے مالِ غنیمت میں بادشاہ برابر کا حصہ دار ہوتا تھا۔

۱۳۹ **بلغارستان** شمالی منطقہ میں واقع ہے۔ سرد علاقہ ہے۔ یہاں زیتون یا تل پیدا نہیں ہو سکتا۔ زیتون زیادہ تر بحیرہ روم کے علاقے میں اور تل بالعموم گرم اور معتدل آب و ہوا والے علاقوں میں پیدا ہوتا ہے لہٰذا بلغار لوگ زیادہ تر مچھلی کا تیل جو یہاں دریائی مچھلیوں سے بافراط حاصل ہوتا تھا استعمال کرتے تھے۔

۱۴۰ **ابن فضلان نے "وکلھم یلبسون القلانس"** لکھا ہے۔ قلانس ایک قسم کی ٹوپی تھی جسے بالعموم ترک اور بلغار قبائل پہنتے تھے۔ یہ نمدے سے بنائی جاتی تھی۔ سیاہ رنگ کی ہوتی تھی اور کافی اونچی ہوتی تھی۔ خلیفہ ابو جعفر منصور بھی یہی ٹوپی پہنا کرتا تھا۔

۱۴۱ **تعظیم دینے** کا یہ انداز ترکوں اور منگولوں میں عام تھا۔ بعض مورخ لکھتے ہیں شاہ بلغار کے مسلمان ہو جانے کے بعد یہ دستور صرف غیر مسلم بلغاروں میں رہ گیا تھا۔

۱۴۲ **بلغار لوگ** بالعموم خیموں میں رہتے تھے۔ مکان بہت کم بناتے تھے۔ یہی ان کا رہن سہن کا طریقہ تھا۔ بادشاہ کا نام نہاد محل بھی ایک بڑا خیمہ تھا جس میں ایک ہزار یا اس سے بھی زیادہ لوگ رہ سکتے تھے۔ اس کے اندر آرمینیہ سے درآمد کردہ قالین اور اس کے تخت پر روم کے بنے ہوئے ریشمی کپڑے کے تخت پوش بچھے ہوتے تھے۔

۴۳ **ابن فضلان نے "خشب الخدنک"** لکھا ہے۔ خدنگ لکڑی تبریز

(ایران) کے علاقے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ لکڑی بہت سخت ہوتی ہے۔ اس کی سختی کے باعث ہی اس لکڑی کو تیر بنانے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔

۱۴۴ **سیبل اور کالی لومڑی** کی سمور بہت قیمتی ہوتی تھی اور یہ جانور یورپ کے شمالی علاقوں میں پائے جاتے تھے اور اب بھی پائے جاتے ہیں۔ عرب امراء ان جانوروں کے سمور بڑی رغبت سے استعمال کرتے تھے۔ ویسو نامی علاقہ کازان کے شمال مغرب میں واقع ہے۔

۱۴۵ **برنجار** ۔ یہ لوگ خزر علاقے کے شہر "بالنجار" کے رہنے والے تھے جو نقل مکانی کر کے بلغار علاقے میں آ کر آباد ہو گئے تھے۔ مسلمان ہونے کے باعث یہودیوں نے انہیں تنگ کیا ہو گا یا وہ بہتر مستقبل کی تلاش میں آئے ہوں گے۔

۱۴۶ **یہ جگہ** شاہ صقالبہ کا گرمائی مستقر ہوتا تھا جو موجودہ کازان کے جنوب میں واقع تھا۔ ان تین جھیلوں کو آج "چسٹوئے" (Chistoye) کیوری شیو سکوئے (Kuryshevskoe) اور اتمانسکوئے (Atmanskoe) کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ آج تو یہ دریائے وولگا کا حصہ معلوم دیتی ہیں۔

۱۴۷ **ویسو** ۔ دیکھئے حوالہ ۱۳۱

۱۴۸ **یاجوج و ماجوج** ۔ ان دو بھائیوں کو حضرت نوح کے بیٹے یافث کی اولاد بتایا جاتا ہے۔ یہ تصوراتی کردار ہیں۔ بعض کتابوں میں ان کا قد ایک سو بیس گز لکھا ہے اور کان اتنے بڑے بڑے بیان کئے ہیں کہ وہ ایک کو اوڑھتے اور دوسرے کو بچھاتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ یاجوج و ماجوج قوم کے لوگوں کا چہرہ جانور کا سا مگر جسم انسان جیسا ہوتا ہے۔ ان کے بدن پر بال بہت ہوتے ہیں۔ قدیم زمانے میں جب یہ لوگ اپنی قیام گاہ سے نکل کر انسانی آبادی پر حملہ آور ہوتے تھے تو وہ بہت ظلم کرتے تھے

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

انسانی بچوں کو کھا جاتے تھے اور جوان اور بوڑھے مردوں اور عورتوں کو ہلاک کر دیتے تھے۔ آخر کار سکندر ذوالقرنین نے خلق خدا کو ان کے ظلم و ستم سے محفوظ رکھنے کے لئے سیسے اور لوہے کو پگھلا کر دو پہاڑوں کے درمیان ایک دیوار تعمیر کر دی اور اس طرح سے ان کو ان کے اپنے علاقے میں قید کر دیا۔ یاجوج و ماجوج ہر روز اس دیوار کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن جتنی دیوار کو وہ توڑتے ہیں صبح ہوتے ہوتے وہ پھر اپنی اصل حالت میں آجاتی ہے۔

یاجوج و ماجوج کی داستان عیسائیت سے مسلمانوں میں پہنچی۔ توریت کتاب پیدائش میں حضرت نوح کے بیٹے یافث کے ایک بیٹے کا نام ماگوگ آیا ہے جب پوپ کے حکم ۱۶۷۹ء میں انجیل کا ترجمہ عربی میں کیا گیا تو ماگوگ اور میگاگ یاجوج اور ماجوج ہو گیا اور مسلمانوں میں یہی نام مشہور ہو گیا۔ ـله

۱۴۹ سُوار یا سُواز وادیِ والگا میں موجود ''جووش'' نامی قوم کے اجداد تھے۔ ابتدا میں مسلمان ہونے کے مخالف تھے چنانچہ اسلام کے بڑھتے ہوئے اثرات کے باعث والگا کے بائیں کنارے کی سکونت ترک کر کے دریا کے دائیں کنارے پر منتقل ہو گئے تھے۔ رفتہ رفتہ یہ پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

۱۵۰ ''ویرغ'' وہی بادشاہ ہے جس کے ساتھ شاہ صقالبہ نے اپنی چھوٹی بیٹی کی اس ڈر سے شادی کر دی تھی کہ کہیں خزر خاقان اس کو اُٹھا کر نہ لے جائے۔

۱۵۱ ایک درخت جس کی لکڑی انتہائی سخت ہوتی ہے۔ فارسی میں اس درخت کو خدنگ کہتے ہیں۔ یہ لکڑی تیر بنانے کے کام آتی تھی۔ تیر خدنگ۔

۱۵۲ بیان کردہ حلیے کے مطابق تو یہ جانور یقیناً گینڈا ہونا چاہئے لیکن گینڈا بالعموم گرم اور مرطوب آب و ہوا والے علاقوں میں پایا جاتا ہے۔ شمال کے

ـله فاضل محشی کا یہ تجزیہ [illegible]

[illegible]

سرد علاقے میں اس کا پایا جانا حیرت کی بات ہے۔

۱۵۳ گینڈے کا سینگ اتنا لمبا نہیں ہوتا۔ ابن فضلان نے مبالغہ سے کام لیا ہے۔

۱۵۴ اگر کوئی مسلمان مسافر بلغاروں کے درمیان انتقال کر جائے یا کسی خوارزمی خاتون کا شوہر مر جائے تو اس کو مسلمانوں کے طریقہ کے مطابق دفن کیا جاتا ہے۔ بلغاروں کے طریقہ سے دفن نہیں کیا جاتا۔ بلغار اپنے مُردوں کو کپڑے پہنا کر گڑھے میں دبا دیتے تھے۔ جبکہ اسلامی طریقے سے تدفین میں مردے کو پہلے غسل دیا جاتا ہے' پھر کفن پہنایا جاتا ہے اور اس کے بعد قبر میں اُتار کر دفن کیا جاتا ہے۔

۱۵۵ یہ رسم اہل تشیع کی رسم عزاداری سے ملتی جلتی ہے۔ فرق یہ ہے کہ اہل تشیع اپنے آپ کو خود پیٹتے ہیں جبکہ بلغاروں کے رواج کے مطابق ان کے غلام اپنے آپ کو پیٹتے تھے۔

۱۵۶ بلغاروں کی یہ رسم بھی پاکستان کے چہلم کی تقریب سے ملتی جلتی ہے۔ پاکستان میں بھی لوگ مرنے والے کا چہلم دھوم دھام سے مناتے ہیں اور پرتکلف دعوت کا اہتمام کرتے ہیں۔

۱۵۷ بادشاہ کو خراج میں فی خاندان ایک عدد سمور دیا جاتا تھا۔ سمور اس علاقہ کی بڑی دولت تھی۔ یہاں سے سب سے بڑی تعداد میں اسی چیز کی برآمد ہوتی تھی۔ چین کے ریشم کی طرح ان علاقوں کے سمور بھی دنیا بھر میں مشہور تھے۔ اسی چیز کی تجارت پر قبضہ کرنے کے لئے علاقے کی مختلف قوموں کے درمیان جنگ ہوتی رہتی تھی۔

۱۵۸ ابنِ فضلان نے جن روسیوں کا ذکر کیا ہے وہ زمانہ حاضر کے روسی نہیں تھے بلکہ اصلاً وہ وائیکنگ یا نارمن تھے جو تجارت کرنے کے لئے اسکینڈی

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

نیو ین ملکوں سے دریا کے راستے سفر کر کے آتے تھے۔ نارمن کی ایک شاخ ''روس'' نام کی تھی۔ ابن فضلان نے اس شاخ کے لوگوں کو دیکھا تھا۔ اس زمانے میں مشرق و مغرب کے درمیان ہونے والی تجارت بلغار علاقے سے گزرتی تھی۔ وائیکنگ یا نارمن تاجر شمالی یورپ کے سرد ملکوں کا مال لا کر بلغاروں کے ذریعہ عربوں کو بیچتے تھے اور عربوں کا مال نارمن تاجروں کے ذریعہ شمال اور مغربی یورپ کے ملکوں کو بیچتے تھے۔ آگے چل کر اسی قبیلے ''روس'' کے نام پر روس نام کا ملک معرض وجود میں آیا۔

نارمن لوگوں کا وطن اسکینڈی نیویا یعنی موجودہ ڈنمارک، سویڈن اور ناروے تھا۔ یہ لوگ بلا کے مہم جو تھے۔ جہاز رانی میں ان کو کمال حاصل تھا۔ کولمبس سے کئی سو سال پہلے ان علاقوں تک پہنچے تھے جو اب امریکہ کہلاتا ہے۔

آٹھویں اور دسویں صدی عیسوی کے درمیانی عرصے میں یہ لوگ بحری قزاقی کے لئے بدنام تھے۔ اس زمانے میں مغربی یورپ کا انگلستان سے لے کر اسپین تک کوئی ملک ان کی تخت و تاز سے نہیں بچا۔ مغربی یورپ کے عیسائی ان کو خدا کا عذاب کہتے تھے کہ انہوں نے کلیساؤں کو خوب خوب لوٹا اور پادریوں کو قتل کیا۔ اندلس کے مسلمان بھی ان کے جور و ستم سے نہ بچ سکے۔ ماہ ذی الحجہ ۲۲۹ھ (۸۴۳ء) میں انہوں نے اشبونہ پر جو آج کل لزبن کہلاتا ہے اور پرتگال کا دارالحکومت ہے حملہ کیا اور تیرہ دن تک خوب لوٹ مار کرتے رہے اور لوگوں کو قتل کرتے رہے۔ ۸ محرم ۲۳۰ھ (۸۴۴ء) کو اشبیلیہ (Sevilbe) پر حملہ کیا۔ مسلمانوں نے شکست کھائی اور نارمنوں نے شہر کے اندر گھس کر قتل عام کیا۔ بچوں بوڑھوں عورتوں اور جوانوں کو بلا امتیاز تہ تیغ کیا۔ بے شمار جانوروں کو ہلاک کیا اور اشبیلیہ کی مسجد کو آگ لگا دی۔ تین دن تک قتل و غارت گری کا بازار گرم رہا۔ لوٹ مار کر کے کشتیوں میں سوار ہونے

کے لئے دریا کی طرف لوٹ گئے جہاں پر شاہی فوجی دستہ سے جھڑپ ہوگئی۔ اس میں ستر قزاق مارے گئے۔ اس کے بعد نارمنوں نے ایک زبردست حملہ کیا جس میں بعض حوالوں کے مطابق ۱۶ ہزار نارمن شامل تھے۔ اس جنگ میں عیسائیوں اور مسلمانوں نے مل کر نارمنوں کو شکست دی۔ کہا جاتا ہے کہ بیشتر نارمن قزاق مارے گئے جو بچ گئے وہ کشتیوں میں بیٹھ کر بھاگ گئے۔ اس شکست کے باوجود ان کی قزاقی اور سفاکی کا عمل جاری رہا۔ وہ کبھی اس شہر پر کبھی اُس شہر پر حملہ کرتے لوگوں کو قتل کرتے اور ان کا مال و اسباب لوٹ کر لے جاتے تاآنکہ ربیع الاول کے مہینے میں سرکاری فوج نے انہیں مار بھگایا۔ اور اندلس کے رہنے والوں کو امن نصیب ہوا۔

حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ مغرب میں غارت گری کرنے والے نارمن مشرق میں تجارت کرنے والے نارمنوں سے مختلف تھے۔ یا یوں کہنا چاہئے کہ ''روس'' نام کے نارمن جنگجو کم اور تاجر زیادہ تھے اور انہیں تاجر روسیوں سے ابن فضلان کا واسطہ پڑا تھا۔

۱۵۹ ابنِ فضلان نے جن روسیوں کو دیکھا تھا وہ شاید کرتا یا قمیض نہ پہنتے ہوں یا بلغاروں کی طرح سے لمبے کرتے نہ پہنتے ہوں لیکن وہ کرتے جیسا لباس ضرور پہنتے تھے اور لبادہ بھی اوڑھتے تھے۔

۱۶۰ یہ ڈبیا شاید بروچ ہوگا جو اس زمانے میں نارمن عورتیں اپنے سینے پر سجایا کرتی تھیں۔

۱۶۱ سراویل۔ جمع سروال۔ اسی سے شلوار نکلا۔ ترکی اور عربی زبانوں میں شلوار ہی کہتے ہیں۔

۱۶۲ دیباج سموریہ۔ سیبل کی کھال کی بنی ہوئی ٹوپی جس پر سونے کے تار سے کشیدہ کاری کی جاتی تھی۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

مردے کے ساتھ جل مرنے کی رسم ہندوؤں میں بھی تھی۔ اس کو ستی ہونا کہتے تھے۔ ابن بطوطہ نے جو آٹھویں صدی ہجری کے وسط میں ہندوستان آیا تھا اور کئی برس تک یہاں پر رہا تھا' ہندو عورت کی ستی کی رسم کا حال بیان کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ "ستی ہونا ہندوؤں میں واجب نہیں ہے لیکن جو بیوہ اپنے خاوند کے ساتھ جل جاتی ہیں اس کا خاندان معزز گنا جاتا ہے اور وہ خود اہل وفا گنی جاتی ہے۔ اور جو رانڈیں ستی نہیں ہوتیں ان کو موٹے کپڑے پہننے پڑتے ہیں اور طرح طرح کی خواری میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے اور ان کو وفادار بھی نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن کسی کو ستی ہونے پر مجبور نہیں کیا جاتا" آگے چل کر وہ تین بیواؤں کا ذکر کرتا ہے جنھوں نے اپنے خاوندوں کے مرنے کے بعد ان کے ساتھ جل مرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

وہ بیان کرتا ہے کہ "وہ (عورتیں ستی ہونے سے) تین دن پہلے گانے بجانے اور کھانے پینے میں مشغول ہوگئیں۔ گویا دنیا سے رُخصت ہونے کو تھیں۔ ان کے پاس ہر طرف سے عورتیں آتی تھیں۔ چوتھے دن صبح کو ان کے پاس ایک ایک گھوڑا لایا گیا اور ہر ایک بیوہ بار سنگھار کر کے خوشبو لگا کر اس پر سوار ہوئی۔ اس کے دائیں ہاتھ میں ناریل تھا جس کو وہ اُچھالتی جاتی تھی اور بائیں ہاتھ میں آئینہ تھا جس میں وہ اپنا منہ دیکھتی جاتی تھی۔ برہمن ان کے گرد جمع تھے۔ اور ہر ایک کے رشتے دار بھی موجود تھے۔ آگے آگے نقارے اور نوبت بجتی جاتی تھی۔ ہر ایک ہندو اسے کہتا تھا کہ میرا سلام میرے ماں باپ یا بھائی یا دوست کو کہنا اور وہ کہتی تھی اچھا کہہ دوں گی اور ہنستی جاتی تھی۔ میں بھی اپنے دوستوں کو لے کر ان کے جلنے کی کیفیت دیکھنے کو گیا۔ ہم ان کے ساتھ تین کوس گئے اور ایک ایسی جگہ پہنچے جہاں پانی بکثرت تھا اور درختوں کے پتوں سے اندھیرا ہو رہا تھا۔ بیچ میں چار گنبد تھے۔ ہر ایک گنبد میں ایک ایک بُت تھا اور گنبد کے بیچ میں پانی کا حوض تھا۔

اس پر درختوں کے سائے کے سبب دھوپ نہ پڑتی تھی۔ تاریکی میں یہ جگہ گویا جہنم کا ٹکڑا تھا۔ جب یہ عورتیں ان گنبدوں کے نزدیک پہنچیں تو حوض میں اتر کر انہوں نے غسل کیا اور حوض میں غوطہ لگایا اور اپنے کپڑے اور زیورات اُتار کر الگ رکھ دیئے اور ان کی بجائے ایک موٹی ساڑھی باندھ لی۔ حوض کے پاس ایک نیچی جگہ آگ دہکائی گئی اور جب اس پر سرسوں کا تیل ڈالا گیا تو وہ شعلہ مارنے لگی۔ ہندوؤں کے پندرہ کے قریب آدمیوں کے ہاتھ میں لکڑی کے گٹھے تھے اور دس کے قریب آدمی لکڑیوں کے بڑے بڑے کندے ہاتھ میں لئے ہوئے تھے۔ نقارہ اور نفیری والے بیوہ کے انتظار میں کھڑے ہوئے تھے۔ آگ کو ایک رضائی کی اوٹ میں کر لیا تھا تاکہ عورت کی نظر اس پر نہ پڑے۔ ان میں سے ایک عورت نے رضائی کو زبردستی ان لوگوں کے ہاتھ سے چھین لیا اور کہا کہ کیا میں جانتی نہیں کہ یہ آگ ہے۔ مجھے ڈراتے ہو۔ پھر اس نے آگ کی طرف ڈنڈوت کی اور اپنے آپ کو آگ میں ڈال دیا۔ اسی وقت نقارے اور نفیریاں بجنی شروع ہوئیں۔ لوگوں نے پتلی لکڑیاں جو وہ ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے آگ میں ڈالنی شروع کیں اور اس کے اُوپر بڑے بڑے کندے ڈال دئے تاکہ عورت ان کے نیچے دب جائے اور حرکت نہ کر سکے۔ حاضرین نے بہت شور کیا۔ میں یہ دیکھ کر بے ہوش ہو گیا اور گھوڑے سے گرنے کو تھا کہ مجھے میرے دوستوں نے سنبھال لیا۔"

ابن بطوطہ کا بیان ابن فضلان کے بیان سے بڑی حد تک ملتا جلتا ہے۔ نارمن روسی کنیز بھی مرنے سے پہلے خوش وخرم رہتی ہے' شراب پیتی ہے۔ گانے گاتی ہے۔ جب اسے ہلاک کیا جاتا ہے تو وہاں بھی لوگ شور مچاتے ہیں' اپنی ڈھالوں پر ڈنڈے برسا برسا کر شوروغل مچاتے ہیں جبکہ ہندو ڈھول اور نفیری بجا کر شور مچاتے ہیں' دونوں کے درمیان بہت مماثلت ہے۔

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM

مسلمان بادشاہ چونکہ ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں دخل نہیں دیتے تھے اس لئے اس رسم پر کوئی پابندی نہیں لگائی البتہ اس کی حوصلہ شکنی کرتے رہے۔ انگریزی حکومت نے اس کو غیر قانونی قرار دے کر بند کر دیا۔

١٦٤ خزر خاقان۔ ساتویں صدی کے وسط میں مغربی یوریشیا میں ترکوں کا اتحاد ٹوٹ جانے کے بعد اس علاقے میں بلغار اور خزر نام کی دو قوموں کو عروج حاصل ہوا۔ ان دونوں کے درمیان زمین اور تجارت کے مسائل پر جنگیں ہوتی رہیں تا آنکہ ٦٧٠ء میں خزر فاتح کی حیثیت سے علاقے پر چھا گئے۔ اور انہوں نے ایک مضبوط حکومت قائم کی۔

بحیرہ خزر جس کو کیسپین سی Caspian Sea کہا جاتا ہے اسی قوم سے منسوب ہے۔ اپنے زمانہ عروج میں خزر مغربی یوریشیا کی سب سے بڑی سلطنت تھی۔ پھر اندرونی شورشوں کے باعث کمزور ہوگئی۔ پہلی صدی ہجری کے آخر اور دوسری صدی ہجری کے شروع میں عربوں کے ساتھ جنگوں نے اسے اور بھی کمزور کر دیا۔ مروان بن محمد نے جو اموی خلیفہ ہشام کا چچازاد بھائی تھا خزریہ کے اندر گھس کر خاقان کو شکست دی۔ خاقان نے اسلام قبول کیا مگر تھوڑے ہی عرصہ بعد اپنے سابقہ مذہب پر واپس چلا گیا۔ مروان نے خزر علاقے میں کوئی بیس ہزار مسلمانوں کو آباد کیا۔ رفتہ رفتہ مسلمانوں کا اثر بڑھتا گیا اور خزر دائرہ اسلام میں داخل ہوتے رہے۔ بلغاروں کے مسلمان ہونے کے بعد خزر کی طاقت کی کمر ٹوٹ گئی۔ چنگیزی حملوں نے اس کا کام تمام کر دیا۔ خزر مملکت فنا ہوگئی اور خزر لوگ دوسری قوموں میں گھل مل گئے۔ یہ لوگ کس نسل سے تعلق رکھتے تھے اس کا تعین نہیں ہو سکا۔ ترک ان کو ترکوں کی ایک شاخ تصور کرتے ہیں۔ ان کی اکثریت وہی مذہبی عقائد رکھتی تھی جو ترکوں میں مقبول تھی۔ البتہ خزر قوم کا بادشاہ جو خاقان کہلاتا تھا یہودی مذہب میں شامل ہو گیا تھا۔

نویں صدی میں عیسائیت نے بھی نفوذ شروع کر دیا تھا اور اسلام نے بھی جڑ پکڑنا شروع کر دی تھی۔ ابن فضلان کے وقت خزریہ میں مسلمان خاصی تعداد میں آباد تھے۔ ان کا بادشاہ خاقان کہلاتا تھا۔ وہ عام لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتا تھا۔ صرف چند لوگوں کو اس تک رسائی حاصل تھی۔ اصل حکمران اس کا نائب تھا جو سیاہ و سفید کا مالک ہوتا تھا۔ آج اس قوم کا کہیں وجود نہیں ہے صرف بحیرہ خزر (Caspian Sea) باقی رہ گیا ہے۔

AF:371

TOOBAA-ELIBRARY.BLOGSPOT.COM